الحمد للہ اللطیف و الصلوۃ و السلام علی رسولہ الشفیق اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصلوۃ و السلام علیك یا رسول اللہ ﷺ و علی الك و اصحابك یا حبیب اللہ ﷺ

القول الاظہر
شرح
الفقہ الاکبر

عقائد کے متعلق ایک اہم تصنیف

اس کتاب میں ہے

☆...مصنف کا تعارف ☆...شارح کا تعارف ☆...عبارت مع اعراب

☆...سلیس اردو ترجمہ ☆...سوالاً جواباً متن کی شرح ☆...تہتر فرقوں کا اجمالی خاکہ

مصنف

امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت (علیہ رحمۃ اللہ الماجد)

شارح

مولانا محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری

ناشر: مکتبۃ السنۃ آگرہ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

موضوع	:	عقائد
کتاب کانام	:	الفقہ الاکبر
مصنف	:	ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ
شرح	:	القول الاظہر شرح الفقہ الاکبر
شارح	:	محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری
کمپوزنگ	:	محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری
تصحیح	:	
صفحات	:	162
تعداد	:	۱۱۰۰
ناشر	:	مکتبۃ السنہ (آگرہ یوپی الہند)
پتہ:	:	(نزد فیضانِ مدینہ، تاج نگری فیس ۲ تاج گنج آگرہ یوپی الہند

Pin code: 282001

اس کتاب کو چھپوانے کے خواہش مند حضرات اس نمبر پر رابطہ کریں

calling & whats app no: +918808693818

فہرست

صلوا علی الحبیب
صلی اللہ علی محمد
صلی اللہ علیہ والہ وسلم

تعارفِ امامِ اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ

سیِّدُنا امامِ اعظم ابو حنیفہ کا نامِ نامی نُعمان، والِدِ گرامی کا نام ثابِت اور کُنْیَت **ابو حنیفہ** ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۷۰ھجری میں عراق کے مشہور شہر ''کُوفے''میں پیدا ہوئے اور ۸۰ سال کی عمر میں ۲ شَعبانُ الْمُعظَّم ۱۵۰ھجری میں وفات پائی۔ (نُزھۃ القاری ج ۱ ص ۱۶۹، ۲۱۹)

اور آج بھی بغداد شریف میں آپ کا مزارِ فائض الانوار مرجعِ خلائق ہے۔

امامِ اعظم رضی اللّٰہ عنہ تابعی ہیں

سیِّدُنا امامِ اعظم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم نے مختلف رِوایات کے تحت چند صحابہ ٔکرام علیہم الرضوان سے ملاقات کا شَرَف حاصل کیا ہے اور بعض صحابہ ٔکرام علیہم الرضوان سے براہِ راست سرورِ کائنات صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے ارشادات بھی سنے ہیں۔ چُنانچِہ حضرتِ سیِّدُنا واثِلَہ بِن اَسْقَع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سُن کر امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ رِوایت بیان فرمائی ہے کہ اللہ کے پیارے حبیب، حبیبِ لبیب، طبیبوں کے طبیب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کا فرمانِ عبرت نشان ہے: اپنے بھائی کی **شَماتَت** نہ کر (یعنی اُس کی مصیبت پر اظہارِ مُسرَّت نہ کر) کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اُس پر رَحم کرے گا اور تجھے اس میں مبتَلا کر دے گا۔ (سُنَنِ ترمِذی ج ۴ ص ۲۲۷ حدیث ۲۵۱۴)

ہے نام نُعمان ابنِ ثابِت، ابو حنیفہ ہے ان کی کُنیَت
پکارتا ہے یہ کہہ کے عالَم، امامِ اعظم ابو حنیفہ

(وسائلِ بخشش ص ۲۸۳)

حنفیوں کے لئے مغفِرت کی بِشارت

سیِّدُنا امامِ اعظم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم نے اپنی زندگی میں پَچپن(۵۵) **حج کئے**۔ جب آخِری بار حج کی سعادت حاصل کی تو خُدّامِ کعبہ ُمُشَرَّفہ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خواہِش پر بابُ الکعبہ کھول دیا، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بَصَد عجز و نیاز اندر داخِل ہوئے اور بیتُ اللہ کے دو سُتُونوں کے درمِیان کھڑے ہو کر دو ۲ رَکعَت میں پورا قرآنِ پاک خَتْم کیا، پھر دیر تک رو رو کر مُناجات کرتے رہے، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشغول دعا تھے کہ بیتُ اللہ کے ایک گوشے (یعنی کونے) سے آواز آئی: **"تم نے اچّھی طرح ہماری مَعرِفت** (یعنی پہچان) **حاصِل کی اور خُلوص کے ساتھ خدمت کی، ہم نے تم کو بخشا اور قِیامت تک جو تمہارے مذہب پر ہوگا** (یعنی تمہاری تقلید کرے گا) **اُس کو بھی بخش دیا۔"** (دُرِّ مُختار ج اص ۱۲۶۔۱۲۷) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَزَّوَجَلَّ ہم کس قَدَر خوش نصیب ہیں کہ حضرتِ سیِّدُنا امامِ اعظم ابو حنیفہ عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم کا دامنِ کرم ہمارے ہاتھوں میں آیا۔

مَروں شہا! زیرِ سبز گنبد، ہو میرا مدفن بقیعِ غَرقَد

کرم ہو بَہرِ رسولِ اکرم، امامِ اعظم ابو حنیفہ

(وسائلِ بخشش ص ۲۸۳)

روضۂ شاہِ اَنام سے جواب سلام

ہمارے امامِ اعظم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم پر شَہَنشاہِ اُمَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کا بے حد لُطف و کرم تھا۔ مدینۂ منوَّرہ زَادَھَا اللہُ شَرَفاً وَّ تَعْظِیْماً میں جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرکارِ نامدار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے روضۂ پُر انوار پر اس طرح سلام عرض کیا: اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا سَیِّدَ الْمُرْسَلِیْن تو روضۂ انور سے جواب کی آواز آئی: وَعَلَیْكَ السَّلَامُ یَا اِمَامَ الْمُسْلِمِیْن۔

(تذکرۃُ الاولیاء ص ۱۸۶ انتشارات گنجینہ تہران)

تمہارے دربار کا گدا ہوں، میں سائلِ عشقِ مصطفٰے ہوں
کرو کرم بہرِ غوثِ اعظم، امامِ اعظم ابو حنیفہ

(وسائلِ بخشش ص ۲۸۳)

تاجدارِ رسالت کی بِشارت

سیّدُنا امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب تحصیلِ علم سے فراغت حاصل کرلی تو گوشہ نشینی کی نیّت فرمائی۔ ایک رات جنابِ رسالت مآب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی خواب میں زیارت ہوئی۔ میٹھے میٹھے مصطفٰے صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: **"اے ابو حنیفہ!** اللہ عَزَّوَجَلَّ نے **آپ کو میری سنّت زندہ کرنے کیلئے پیدا فرمایا ہے، آپ گوشہ نشینی کا ہرگز قصد** (یعنی ارادہ) **نہ کریں۔"**

(تذکرۃُ الاولیاء ص ۱۸۶)

عطا ہو خوفِ خدا خدارا، دو الفتِ مصطفٰے خدارا
کروں عمل سنّتوں پہ ہر دم، امامِ اعظم ابو حنیفہ

(وسائلِ بخشش ص ۲۸۳)

دن رات کے معمولات

جنابِ رسالت مآب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے خواب میں تشریف لاکر سیّدُنا امامِ اعظم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْاَکْرَم کی حوصلہ افزائی فرمائی اور سُنّتوں کی خدمت کا حکم دیا، جس کے نتیجے میں ہمارے امامِ اعظم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْاَکْرَم کا سُنّتوں کی خدمت کی مصروفیت اور ذوقِ عبادت مُلاحَظہ ہو۔ چُنانچہ حضرتِ مِسْعَربن کِدام علیہ رَحمۃُ اللّٰہِ السّلام فرماتے ہیں: "میں **امامِ اعظم ابو حنیفہ** عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْاَکْرَم کی مسجِد میں حاضِر ہوا، دیکھا کہ نمازِ فجر ادا کرنے کے بعد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کو سارا دِن **علمِ دین** پڑھاتے رہتے، اِس دوران صِرف نَمازوں کے وَقفے ہوئے۔ بعد نَمازِ عشاء آپ رضی اللہ تعالیٰ

عنہ اپنی دولت سَرا (یعنی مکانِ عالیشان) پر تشریف لے گئے۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد سادہ لباس میں ملبوس خوب عِطر لگا کر فَضائیں مہکاتے، اپنا نورانی چہرہ چمکاتے ہوئے پھر آکر مسجِد کے کونے میں نوافِل میں مشغول ہوگئے یہاں تک کہ صبحِ صادِق ہوگئی، اب درِ دولت (یعنی مکانِ عالیشان) پر تشریف لے گئے اور لباس تبدیل کرکے واپَس آئے اور نَمازِ فجر باجماعت ادا کرنے کے بعد گزَشتہ کل کی طرح عِشاء تک سلسلۂ درس و تدریس جاری رہا۔ میں نے سوچا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بَہُت تھک گئے ہوں گے، آج رات تو ضَرور آرام فرمائیں گے، مگر دوسری رات بھی وُہی معمول رہا۔ پھر تیسرا دن اور رات بھی اِسی طرح گزرا۔ میں بے حد مُتَأثِّر ہوا اور میں نے فیصلہ کرلیا کہ عمر بھر ان کی خدمت میں رہوں گا۔ چُنانچِہ میں نے ان کی مسجِد ہی میں مستقل قِیام اختیار کرلیا۔ **میں نے اپنی مدّتِ قِیام میں، امامِ اعظم** عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم **کو دن میں کبھی بے روزہ اور رات کو کبھی عبادت و نوافِل سے غافِل نہیں دیکھا۔** البتّہ ظہر سے قَبل آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھوڑا سا آرام فرمالیا کرتے تھے۔ (اَلْمَناقِب لِلْمُوَفَّق ج۱ ص۲۳۰ تا ۲۳۱ کوئٹہ)

حضرتِ سیِّدُنا ابنِ ابی مُعاذ رحمۃُ اللہ تعالیٰ علیہ کی رِوایت ہے، مِسْعَربِن کِدام علیہ رَحمۃُ اللہِ السَّلام بے حد خوش نصیب تھے کہ ان کی وفات **امامِ اعظم** عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم کی مسجِد میں **سَجدے** کی حالت میں ہوئی۔ (اَیضاً ص ۲۳۱)

جو بے مثال آپ کا ہے تقویٰ، تو بے مثال آپ کا ہے فتویٰ
ہیں علم و تقویٰ کے آپ سنگم، امامِ اعظم ابو حنیفہ

(وسائلِ بخشش ص ۲۸۳)

تیس سال مسلسل روزے

"اَلْخَیْرَاتُ الْحِسان" میں ہے، آپ نے مسلسل **تیس سال روزے رکھے،** تیس سال تک ایک

رَکعَت میں قرآنِ پاک خَتْم کرتے رہے، چالیس (بلکہ ۴۵)سال تک عِشاء کے وُضُو سے فجر کی نَماز ادا کی، **جس مقام پر آپ کی وفات ہوئی اُس مقام پر آپ نے سات ہزار بار قرآنِ پاک خَتْم کئے۔** حضرتِ سیِّدُنا عبداللہ بن مبارَک رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے سامنے امامِ اعظم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْاَکْرَم پر کسی نے اعتِراض کیاتو آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: "کیاتم ایسے شخص پر اعتِراض کرتے ہو جس نے پینتالیس سال تک پانچوں نَمازیں ایک ہی وُضو سے ادا کیں اور وہ ایک رَکْعَت میں پورا قرآن کریم خَتْم کرلیتے تھے اور میرے پاس جو کچھ فِقْہ ہے وہ انہیں سے سیکھا ہے۔" روایت میں ہے: شُروع میں آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ ساری رات عبادت نہیں کرتے تھے۔ آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک بار کسی کو یہ کہتے ہوئے سُن لیا کہ "ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ساری رات سوتے نہیں ہیں۔" چُنانچِہ اُس کے حُسنِ ظن کی لاج رکھتے ہوئے آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تمام رات عبادت شُروع کردی۔ (اَلْخَیراتُ الحِسان ص ۵۰)

تری سخاوت کی دھوم مچی ہے، مُراد منہ مانگی مل رہی ہے
عطا ہو مجھ کو مدینے کا غم، امامِ اعظم ابو حنیفہ

(وسائلِ بخشش ص ۲۸۳)

ماہِ رمضان میں ٦٢ خَتْمِ قراٰن

امام ابو یُوسُف رحمۃُ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں: امامِ اعظم عَلَیْہ رَحمَۃُ اللہ الاکرم رَمَضانُ المبارَك میں مَع عیدالفِطر ٦٢ قرآنِ پاک خَتْم کرتے، (دن کو ایک، رات کو ایک، تراویح کے اندر سارے ماہ میں ایک اور عید کے روز ایک) اور مال میں سخاوت کرنے والے تھے، علم سکھانے میں صابِر (یعنی صبر کرنے والے) تھے، اپنے حق میں کئے جانے والے اعتِراضات کو سنتے تھے، غصّے سے کوسوں دور تھے۔

(اَلْخَیراتُ الحِسان ص ۵۰)

اُستاد کے مکان کی طرف پاؤں نہ پھیلاتے

''اَلْخَیْرَاتُ الْحِسان ''میں ہے: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ زندگی بھر اپنے استاذِ محترم سیّدُنا امام حمّاد علیہ رحمۃُ اللہ الجواد کے مکانِ عَظَمت نشان کی طرف پاؤں پھیلا کر نہیں لیٹے حالانکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکانِ عالی شان اور استاذِ محترم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم کے مکانِ عظیم الشّان کے درمِیان تقریباً سات گلیاں پڑتی تھیں۔(اَلْخَیرات الحِسان ص ۸۲)

اہلِ زمانہ میں سب سے زائد عَقْلمَند

ہمارے امامِ اعظم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم کے پاس علمِ دین کا زبردست ذخیرہ تھا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بَہُت زیادہ عَقْلمند تھے۔ ''**اَلْخَیْرَاتُ الْحِسان** ''میں ہے، حضرتِ سیّدُنا امامِ شافعی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں:''امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زائد عقلمند کسی عورت نے نہیں جنا۔'' سیّدُنا بکر بن جَیش رحمۃُ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:''اگر امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اہلِ زمانہ کی عَقلوں کو جمع کیا جائے، تو امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عقل سب پر غالِب آجائے۔ ''(اَلْخَیرات الحِسان ص ۶۲)

جان دے دی مگر حکومتی عُہدہ قبول نہ کیا

عبّاسی خلیفہ منصور نے امامِ اعظم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم سے عرض کی کہ آپ میری مملکت (مَم۔لَ۔کَت) کے قاضِیُ الْقُضاۃ (یعنی چیف جج) بن جایئے۔ فرمایا: میں اِس عُہدے کے قابِل نہیں۔ **منصور** بولا: آپ جھوٹ کہتے ہیں۔ **فرمایا:** اگر میں جھوٹ بولتا ہوں تو آپ نے خود ہی فیصلہ کر دیا! جھوٹا شخص قاضی بننے کے لائق ہی نہیں ہوتا۔ خلیفہ **منصور** نے اس بات کو اپنی توہین تصوُّر کرتے ہوئے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جیل بھجوا دیا۔ روزانہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سرِ مبارک پر **دس کوڑے** مارے جاتے جس سے خون سرِ اقدس سے بہہ کر ٹخنوں تک آجاتا، اِس طرح مجبور کیا جاتا رہا کہ قاضی بننے کیلئے ہامی بھر لیں،

مگر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حکومتی عُہدہ قَبول کرنے کیلئے راضی نہ ہوئے۔اِسی طرح آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یَومِیّہ دس کے حساب سے ایک سو دس کوڑے مارے گئے۔لوگوں کی ہمدردیاں امامِ اعظم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم کے ساتھ تھیں۔بِالآخِر دھوکے سے **زَہر کا پِیالہ** پیش کیا گیا، مگر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مومِنانہ فِراست سے زَہر کو پہچان گئے اور پینے سے انکار فرمادیا،اس پر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لٹا کر زبردستی حَلق میں زَہر اُنڈیل دیا گیا،زَہر نے جب اپنا اثر دکھانا شُروع کیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہِ خُداوندی میں سجدہ رَیز ہوگئے اور سَجدے ہی کی حالت میں ۱۵۰ ہجری میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جامِ شہادت نوش کیا۔(اَلْخَیراتُ الْحِسان ص۸۸۔۹۲)

اس وقت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر شریف ۷۰ برس تھی۔ بغدادِ معلّٰی میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزارِ فائض الانوار آج بھی مَرجَعِ خَلائق ہے۔

پھر آقا بغداد میں بلاکر،وہ روضہ دِکھلایئے جہاں پر
ہیں نور کی بارِشیں چھما چھم،امامِ اعظم ابوحنیفہ

(وسائلِ بخشش ص۲۸۳)

مزارِامامِ اعظم کی برکتیں

مفتیٔ حِجاز شیخ شہابُ الدّین احمد بن حَجَرھَیْتَمِی مَکّی شَافِعِی عَلَیْہ رَحمَۃُ اللہ القوی اپنی مشہور کتاب ''اَلْخَیْرَاتُ الْحِسان فِی مَناقِبِ النُّعمان '' کے باب نمبر ۳۵ جس کے عُنوان میں یہ بھی ہے، ''آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قَبْر شریف کی زیارت حاجتیں پوری ہونے کیلئے مُفید ہے ''میں فرماتے ہیں: جاننا چاہئے کہ عُلَما اور دیگر حاجت مند حضرات آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار شریف کی مسلسل زیارت کرتے رہتے ہیں اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آکر اپنی حَوائج(یعنی حاجتوں) کے لئے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو

وسیلہ بناتے ہیں اور اس میں کامیابی پاتے ہیں، ان میں سے (حضرتِ سیّدُنا) **امام شافعی** عَلَيْهِ رَحمَۃُ اللهِ القوی بھی ہیں، جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بغداد میں تھے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مُتَعلِّق مروی ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں (حضرتِ سیّدُنا امام) ابو حنیفہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے تَبَرُّك حاصِل کرتا ہوں، اور جب کوئی حاجت پیش آتی ہے تو دو رَکعت پڑھ کر ان کی قَبْرِ انور کے پاس آتا ہوں اور اُس کے پاس اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دُعا کرتا ہوں تو وہ حاجت جلد پوری ہو جاتی ہے۔(اَلْخَيْراتُ الْحِسان ص ۹۴)

جگر بھی زخمی ہے دل بھی گھائل، ہزار فِکریں ہیں سو مسائل
دُکھوں کا عطّار کو دو مرہم، امامِ اعظم ابو حنیفہ

(وسائلِ بخشش ص ۲۸۳)

امامِ اعظم رضی اللہ تَعَالیٰ عنہ کو بخش دیا گیا

حضرت سیّدُنا جعفر بن حسن رحمۃ اللہ تَعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سیّدُنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تَعالیٰ عنہ کو خواب میں دیکھ کر پوچھا: "مَا فَعَلَ اللهُ بِكَ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟" جواب دیا: "مجھے بخش دیا گیا۔" (مناقب الامام الاعظم للموفق بن احمد المکی، الباب الثامن والعشرون، ج ۲، ص ۱۸۶)

حضرت سیّدُنا عبد الحمید بن عبد الرحمن جمانی رحمۃ اللہ تَعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں حضرت سیّدُنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تَعالیٰ عنہ کو یوں دیکھا گویا کہ ایک ستارہ آسمان سے گر پڑا ہے، اور کہا گیا: یہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تَعالیٰ عنہ ہیں۔ پھر دوسرا استارہ گرا تو کہا گیا: یہ حضرت سیّدُنا مسعر رحمۃ اللہ تَعالیٰ علیہ ہیں۔ پھر تیسرا استارہ گرا تو کہا گیا: یہ حضرت سیّدُنا سفیان ثوری رحمۃ اللہ تَعالیٰ علیہ ہیں۔ چنانچہ، تینوں میں سب سے پہلے حضرت سیّدُنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تَعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا، پھر حضرت سیّدُنا مسعر رحمۃ اللہ تَعالیٰ علیہ کا اور آخر میں حضرت سیّدُنا سفیان ثوری رحمۃ اللہ تَعالیٰ علیہ کا ہوا۔

حضرت سیّدُنا صدقہ رحمۃ اللہ تعَالیٰ علیہ مستجابُ الدعوات بزرگ تھے، فرماتے ہیں کہ جب امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعَالیٰ عنہ کو خیزران کے قبرستان میں دفن کیا گیا تو میں نے تین رات مسلسل یہ آواز سنی:

ذَهَبَ الْفِقْهُ فَلاَ فِقْهَ لَكُمْ　　فَاتَّقُوْا اللهَ وَكُوْنُوْا خَلَفَا

مَاتَ النُّعْمَانُ فَمَنْ هٰذَا الَّذِی　　یُحْیِیْ لَیْلَهٗ إِنْ سَجَفَا

ترجمہ:(۱)فقیہہ چلا گیا، اب تمہارے پاس ایسا فقیہہ کوئی نہیں، لہٰذا اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرو اور امام اعظم رضی اللہ تعَالیٰ عنہ کے بہترین جانشین بنو۔

(۲)امام اعظم نعمان بن ثابت رضی اللہ تعَالیٰ عنہ کا وصال ہو گیا۔ تو اب کون ہے جو اُن کے بعد تاریک راتوں میں بیدار رہے۔(حکایتیں اور نصیحتیں ص ۳۳۶)

صلوا علی الحبیب
صلی اللّٰہ علی محمد
صلی اللّٰہ علیہ والہ وسلم

مصنف کا تعارف

نام محمد شفیق خان، والد کا نام محمد شریف خان ہے، سلسلۂ قادریہ رضویہ عطاریہ میں شیخِ طریقت امیرِ اہلسنت بانئ دعوتِ اسلامی حضرت علامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری رضوی دامت برکاتہم العالیہ سے ۲۰۰۴ء میں بیعت ہونے کی وجہ سے اپنے نام کے ساتھ عطاری لکھتے ہیں، آپ کی ولادت قصبہ لَلَوْلِیْ ضلع فتح پور ہنسوا صوبہ یوپی ہند میں ہوئی، آپ کی تاریخِ پیدائش ۱۰ جون ۱۹۸۶ء ہے۔

مولانا نے ابتداءً ہندی انگلش کی تعلیم حاصل کر کے سن ۲۰۰۰ء میں AC کا کام سیکھنے اور کرنے کے لئے بمبئی چلے گئے تھے اور وہاں پر ۴ سال قیام کیا پھر ۲۰۰۴ء میں اپنے وطن لوٹے، اور وطن میں ہی دعوتِ اسلامی کا مدنی ماحول ملا، دعوتِ اسلامی کے مدنی ماحول سے وابستہ ہونے کے بعد مختلف کورسز کئے اور ۲۰۰۶ء میں اپنے ہی علاقہ کے دار العلوم بنام جامعہ عربیہ گلشنِ معصوم قصبہ للولی میں قاری اقبال احمد عطاری سے قرآنِ پاک ناظرہ اور حضرت مولانا عتیق الرحمٰن مصباحی سے درسِ نظامی کے درجۂ اولی اور کچھ درجۂ ثانیہ کی کتابیں پڑھی، اس کے بعد مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے چریا کوٹ ضلع مؤ تشریف لے گئے اور وہاں درجۂ ثانیہ مکمل کرنے کے بعد اہلسنت کے عظیم علمی ادارے الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ میں مطلوبہ درجۂ ثالثہ کا ٹسٹ دیا اور بفضلہ تعالی کامیاب ہونے کے بعد درجۂ ثالثہ وہیں پڑھی، پھر درجۂ رابعہ دار العلوم غوثیہ (جو ضلع اعظم گڑھ کے گاؤں سَرَیَّا میں واقع ہے) میں مکمل کی پھر اس کے بعد دعوتِ اسلامی کے جامعۃ المدینہ فیضانِ عطار نیپال گنج، نیپال میں داخلہ لیا اور درجۂ خامسہ سے دورۂ حدیث تک کی تعلیم وہیں مکمل فرمائی، ۲۰۱۴ء میں فراغت کے بعد تدریس کے لئے دعوتِ اسلامی کے جامعۃ المدینہ فیضانِ صدیقِ اکبر آگرہ تشریف لے گئے اور ایک سال وہاں تدریس فرمائی، پھر مزید تدریس کے لئے دعوتِ

اسلامی کے مدنی مرکز کے حکم پر بنگلہ دیس کے دار الحکومت ڈھاکہ کے جامعۃ المدینہ تشریف لے گئے، اور وہیں پر دعوتِ اسلامی کے جامعات کے درجۂ ثانیہ میں چلنے والی علمِ صرف کی کتاب بنام مراح الارواح کی اردو شرح بنام **شفیق المصباح** تصنیف فرمائی۔

اس کے بعد پھر جامعۃ المدینہ فیضانِ صدیقِ اکبر آگرہ تشریف لا کر درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ موصوف کو بے بہا برکات و ثمرات سے نوازے اور اس کارہائے نمایہ کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا کر کے موصوف کے لئے توشۂ آخرت بنائے آمین بجاہ النبی الامین ﷺ۔

مصنف کی اصلاحی کتب

1☆...مافعل اللہ بک (حصہ اول)

2☆...مافعل اللہ بک (حصہ دوم)

3☆...مافعل اللہ بک (حصہ سوم)

4☆...میری سنت میری امت

5☆...کیا حال ہے؟

6☆...اسلامی احکام کی حکمتیں حصہ اول موضوع عقائد کی حکمتیں

7☆...اسلامی احکام کی حکمتیں حصہ دوم موضوع پانچ نمازوں کی حکمتیں

8☆...قرآنی سورتوں کے مضامین

9☆...سب سے پہلے سب سے افضل

10☆...موت کے وقت

11☆...امتِ محمدیہ کے سوالات اور ان کے قرآنی جوابات

12☆...علوم رضا کی جھلکیاں

13☆...خطبات مصطفائی و خطبات شفیقی

مصنف کی درسی کتب

1☆...شفیق المصباح شرح مراح الارواح

2☆...شفیقیہ شرح الاربعین النوویہ

3☆...شفیق النحو لحل تمارین خلاصۃ النحو (حصہ اول)

4☆...شفیق النحو لحل تمارین خلاصۃ النحو (حصہ دوم)

5☆...اَلشَّفِیْق شرحُ تیسیر مصطلح الحدیث

6☆...شارق الفلاح شرح نور الایضاح

7☆...القول الاظہر شرح الفقہ الاکبر

8☆...عرفان الاثار شرح معانی الاثار

9☆...صرف کے دلچسپ سوالات

10☆...تسلیم التوقیت

عنقریب آنے والی 6 تصنیف

☆...شفیق النعمانی شرح الجامی

☆...شفیق النحو شرح ہدایۃ النحو

☆...الشفیق شرح تیسیر مصطلح الحدیث

☆...ایسا کیوں...

☆...الخلیل فی فن اصول الجرح و التعدیل

صلوا علی الحبیب! صلی اللہ علی محمد
صلی اللہ علیہ والہ وسلم

الحمد للہ اللطیف و الصلوۃ و السلام علی رسولہ الشفیق اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوۃ و السلام علیك یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و علی الك و اصحابك یا حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

درود شریف کی فضیلت

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً وَاحِدَةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ، وَحُطَّتْ عَنْهُ عَشْرُ خَطِيئَاتٍ، وَرُفِعَتْ لَهُ عَشْرُ دَرَجَاتٍ۔

ترجمہ: جس نے مجھ پر ایک بار دُرُودِ پاک پڑھا اللہ عزوجل اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، دس گناہ مٹاتا ہے اور دس دَرَجات بُلند فرماتا ہے۔(نَسائی ص ۲۲۲ حدیث ۱۲۹۴)

صَلُّوا عَلَی الْحَبِیْب! صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلٰی مُحَمَّد

چھ چیزیں چھ میں حسین ہوتی ہیں

(۱)علم عمل میں۔ (۲)عدل بادشاہ میں۔ (۳)سخاوت اغنیاء میں۔ (۴)توبہ شباب میں۔ (۵)صبر فقر میں۔ (۶)حیا عورتوں میں۔

علم بے عمل اس گھر کی طرح ہے جس کی چھت نہ ہو۔بادشاہ بے عدل اس کنوئیں کی طرح ہے جس میں پانی نہ ہو۔اور اگر دولتمند میں سخاوت نہ ہو تو وہ اس بادل کی طرح ہے جس میں بارش نہ ہو۔شباب بے توبہ اس درخت کی طرح ہے جس پر پھل نہ ہو۔فقیر بے صبر اس چراغ کی طرح ہے جس میں روشنی نہ ہو۔اور عورت بے حیا اس طعام کی طرح ہے جس میں نمک نہ ہو۔(روح البیان ج ۲ ص ۱۰۷)لہذا عالم کو چاہیئے کہ اپنے علم پر عمل کر کے اپنی عمارت کی چھت بنائے اور خود بھی فائدہ اٹھائے اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچائے۔دولتمند کو چاہیئے کہ وہ اپنی دولتمندی کے بادل سے ایسے برکات کی بارش برسائے کہ جس سے دین و دنیا سیراب ہو یعنی ایسے سبب بنائے کہ مردہ دلوں کو سیرابی ہو کہ دین و دنیا کی محتاجی دور ہو جائے،اس لئے کہ اللہ تعالی محسنین کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔(روح البیان ج ۲ ص ۱۰۷۔۱۰۸)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿﴾

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔

1: بَیَانُ اُصُوْلُ الْاِیْمَانِ:

اَصْلُ التَّوْحِیْدِ وَ مَا یَصِحُّ الْاِعْتِقَادِ عَلَیْہِ، یَجِبُ اَنْ یَقُوْلَ: آمَنْتُ بِاللّٰہِ وَ مَلَائِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ وَ الْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَ الْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَ شَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی، وَالْحِسَابُ وَ الْمِیْزَانُ وَ الْجَنَّۃُ وَ النَّارُ حَقٌّ کُلُّہٗ۔

ترجمہ: توحید کی اصل اور جس پر عقیدہ رکھنا صحیح ہوتا ہے اس کے لئے یہ کہنا واجب ہے کہ میں ایمان لایا اللہ تَعَالٰی پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور موت کے بعد اٹھائے جانے پر اور اس پر کہ اچھی اور بری تقدیر اللہ کی طرف سے ہے اور قیامت کے دن حساب اور میزان اور جنت اور جہنم تمام کے تمام حق ہیں۔

سوال: الفقہ الاکبر نامی کتاب کس فن میں ہے؟

جواب: الفقہ الاکبر نامی کتاب فنِّ عقائد (علم الکلام) میں ہے۔

سوال: عقیدہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: عقیدہ ان دینی امور کا نام ہے جن پر دل بغیر کسی شک وشبہ اور تردد کے پختہ ہو جائے۔ کیونکہ دین کے کسی معاملے میں شک وشبہ اور تردد کفر ہے۔

سوال: عقائد میں کتنے اور کون کون سے امام ہیں؟

جواب: عقائد میں دو امام ہیں: (۱) شیخ ابو الحسن اشعری۔ (۲) شیخ ابو منصور ماتریدی۔

حضرت امام شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کی پیروی کرنے والوں کو" اشعریہ" کہتے ہیں۔

۲۔امام الھُدٰی، حضرت ابو منصور ماتریدی کے ماننے والوں کو"ماتریدیہ" کہا جاتاہے۔ احناف، عقائدِ فرعیہ میں انہیں کے مقلد ہیں۔ صدرالشریعہ ،بدرالطریقہ مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں کہ" دونوں جماعتیں (اشعریہ،ماتریدیہ) اہل سنت ہی کی ہیں اور دونوں حق پر ہیں آپس میں صرف بعض فروع کا اختلاف ہے، ان کا اختلاف حنفی ،شافعی کا ساہے کہ دونوں اہل حق ہیں کوئی کسی کی تذلیل و تفسیق نہیں کر سکتا۔(بہار شریعت جہیز ایڈیشن، حصہ اول، ج ۱، ص ۶۴ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

سوال: اصول کسے کہتے ہیں؟

جواب: اصول اصل کی جمع ہے جس کے معنی جڑ کے ہیں اور اصول سے مراد وہ قوانین ہوتے ہیں جن پر کسی علم یا فن کی بنیاد ہوتی ہے۔

سوال: ایمان کا لغوی واصطلاحی معنی کیا ہے؟

جواب: ایمان کے لغوی معنی امن دینے کے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں ایمان ان اسلامی عقائد کا نام ہے جنہیں مان کر انسان عذاب الٰہی سے امن میں آ جاتا ہے ،یعنی تمام ان چیزوں کو ماننا جو رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اللہ کی طرف سے لائے ،چونکہ ایمان محض ماننے اور تصدیق کا نام ہے اس لئے اس میں مقدار ممکن نہیں ہے، کیفیت کی کمی زیادتی ممکن ہے۔(مرأۃ المناجیح جلد ا ص ۴۲ اسلامک پبلیشر)

سوال: "اصل التوحید" سے کیا بتانا چاہتے ہیں؟

جواب: اصل التوحید سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ توحید کی اصل ضروریات دین ہیں کہ ان سب پر اجمالی ایمان لانا ضروری ہے۔

سوال: "وما یصح الاعتقاد علیہ" سے کیا مراد ہے ؟ اور ضروریاتِ دین کی تعریف کیا ہے؟

جواب: اس سے بھی مراد ضروریات دین ہے، اور ضروریات کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ ضروریاتِ دین وہ مسائلِ دین ہیں جن کو ہر خاص و عام جانتے ہوں، جیسے اللہ عزوجل کی وحدانیت، انبیاء کی نبوت، جنت و نار، حشر و نشر وغیرہا۔("شرح العقائد النسفیۃ"، مبحث الإیمان، ص ۱۲۰)،

مثلاً یہ اعتقاد کہ حضور اقدس صلی اللہ تَعَالٰی علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں، حضور (صلی اللہ تَعَالٰی علیہ وسلم) کے بعد کوئی نیا نبی نہیں ہو سکتا۔

("الہندیۃ"، کتاب السیر، الباب في أحکام المرتدین، ج۲، ص۲۶۳)(بہار شریعت جلد ۱ ص ۱۷۲ مکتبۃ المدینہ)

سوال: عوام سے مراد کون لوگ ہیں؟

جواب: عوام سے مراد وہ مسلمان ہیں جو طبقۂ علما میں نہ شمار کئے جاتے ہوں، مگر علماء کی صحبت سے شرفیاب ہوں اور مسائلِ علمیہ سے ذوق رکھتے ہوں("الفتاوی الرضویۃ"، کتاب الطھارۃ، باب الوضوئ، ج۱، ص۱۸۱۔)، نہ وہ لوگ جو چھوٹے گاؤں (جسے کوئی نہ جانتا ہو اور نہ ہی وہاں تعلیم کا کوئی سلسلہ ہو۔) اور جنگل اور پہاڑوں کے رہنے والے ہوں جو کلمہ بھی صحیح نہیں پڑھ سکتے، کہ ایسے لوگوں کا ضروریاتِ دین سے ناواقف ہونا اُس ضروری کو غیر ضروری نہ کر دے گا، البتہ ان کے مسلمان ہونے کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ ضروریاتِ دین کے منکر نہ ہوں اور یہ اعتقاد رکھتے ہوں کہ اسلام میں جو کچھ ہے حق ہے، ان سب پر اِجمالاً ایمان لائے ہوں۔(بہار شریعت جلد ۱ ص ۱۷۲۔173 مکتبۃ المدینہ)

سوال: "یجب ان یقول" سے کیا بتانا چاہتے ہیں؟

جواب: اس عبارت سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مکلف کا اپنی اس زبان سے جو اس کے دل کے موافق ہو علم یقینی حاصل ہونے کے بعد کہنا فرضِ عین ہے،(شرح الفقہ الاکبر ص 17)

سوال: اللہ عزوجل پر ایمان لانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اللہ عزوجل پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اللہ عزوجل اپنی ذات وصفات اور جملہ اوصاف وکمالات میں یکتاوبے مثل وبے مثال ہے،اس کا کوئی ساجھی وشریک نہیں، اورنہ کوئی اللہ عزوجل کا ہم پلہ یا ہم مرتبہ ہے۔

سوال:فرشتے کیا ہیں؟

جواب: فرشتے اجسامِ نوری ہیں، اللہ تعَالیٰ نے اُن کو یہ طاقت دی ہے کہ جو شکل چاہیں بن جائیں،("منح الروض الأزہر"، ص ۱۲.) کبھی وہ انسان کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں اور کبھی دوسری شکل میں۔("الحبائک فیأخبار الملائک"للسیوطي، ص ۴.)

وہ وہی کرتے ہیں جو حکمِ الٰہی ہے، خدا کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کرتے، نہ قصداً، نہ سہواً، نہ خطاً، وہ اللہ عزوجل کے معصوم بندے ہیں، ہر قسم کے صغائر وکبائر سے پاک ہیں۔("تفسیر الکبیر"، پ ۱، البقرة ،ج ۱، ص ۳۸۹، تحت الآیۃ: ۳۰)فرشتے نہ مرد ہیں، نہ عورت۔ ("شرح المقاصد"،المبحث السابع الملائکۃ، ج ۳، ص ۳۱۸.) اُن کو قدیم ماننا یا خالق جاننا کفر ہے۔

سوال:فرشتوں کی تعداد کتنی ہے؟نیز سب سے افضل فرشتے کون سے ہیں؟

جواب: ان کی تعداد وہی جانے جس نے ان کو پیدا کیا(پ ۲۹، المدثر: ۳۱.) اور اُس کے بتائے سے اُس کا رسول۔ چار فرشتے سب فرشتوں سے افضل ہیں، ان کے نام یہ ہیں: جبریل و میکائیل و اسرافیل و عزرائیل علیہم السلام اور یہ سب ملائکہ پر فضیلت رکھتے ہیں۔("التفسیر الکبیر"، البقرة: تحت الآیۃ: ۳۰، ج ۱، ص ۳۸۶)

سوال:اللہ تعَالیٰ کی کتابوں سے کون سی کتابیں مراد ہیں؟نیز کیا ان سب پر ایمان لانا ضروری ہے؟

جواب: بہت سے نبیوں پر اللہ تَعَالٰی نے صحیفے اور آسمانی کتابیں اُتاریں، اُن میں سے چار کتابیں بہت مشہور ہیں: "تورات" حضرت موسیٰ علیہ السلام پر، "زبور" حضرت داوٗد علیہ السلام پر، "اِنجیل" حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر، "قرآنِ عظیم" کہ سب سے افضل کتاب ہے، سب سے افضل رسول حضور پُر نور احمدِ مجتبیٰ محمدِ مصطفےٰ صلی اللہ تَعَالٰی علیہ وسلم پر۔ سب آسمانی کتابیں اور صحیفے حق ہیں اور سب کلام اللہ ہیں، اُن میں جو کچھ ارشاد ہوا سب پر ایمان ضروری ہے۔("تفسیر الخازن"، پ۳، البقرۃ:۲۸۵، ج۱، ص۲۲۵)

سوال: "رسلہ" سے مراد کون ہیں؟

جواب: متن میں مذکور "رسلہ" سے مراد نبی ورسول دونوں ہیں۔

سوال: نبی اور رسول کی کیا تعریف ہے؟

جواب: نبی اُس بشر کو کہتے ہیں جسے اللہ تَعَالٰی نے ہدایت کے لیے وحی بھیجی ہو۔

("المعتقد المنتقد"، الباب الثاني في النبوّات، ص۱۰۵)

انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام میں سے جو نئی شریعت لائے ان کو رسول کہتے ہیں۔

سوال: نبی اور رسول میں کیا فرق ہے؟

جواب: نبی اور رسول میں دو طرح سے فرق ہے، (۱) ایک فرق تو وہی جو دونوں کی تعریف میں مذکور ہوا یعنی نبی نئی شریعت نہیں لاتا جبکہ رسول نئی شریعت لے کر آتا ہے۔ (۲) اور دوسرا فرق یہ کہ رسول کے لئے انسان ہونا ضروری نہیں بلکہ رسول فرشتوں میں بھی ہوتے ہیں اور انسانوں میں بھی، جبکہ نبی صرف انسانوں میں ہوتا ہے۔("تفسیر الطبري"، پ۱۲، ہود: تحت الآیۃ۶۹)

جیسا کہ قرآنِ پاک میں ہے کہ انبیا سب بشر تھے اور مرد، نہ کوئی جن نبی ہوا نہ عورت۔

(پ۱۲، یوسف:۱۰۹.)("نسیم الریاض"، القسم الأول في تعظیم العلي الأعلی لقدر النبي، ج۳، ص۳۴۴)

سوال: کیا آدمی عبادت و ریاضت کے ذریعے نبوت حاصل کر سکتاہے؟

جواب: نبوّت کسبی نہیں کہ آدمی عبادت و رِیاضت کے ذریعہ سے حاصل کر سکے۔("المعتقد المنتقد"، ص۱۰۷) بلکہ محض عطائے الٰہی ہے، کہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے دیتا ہے، ہاں! دیتا اُسی کو ہے جسے اس منصبِ عظیم کے قابل بناتا ہے، جو قبلِ حصولِ نبوّت تمام اخلاق رذیلہ سے پاک، اور تمام اخلاق فاضلہ سے مزین ہو کر جملہ مدارجِ ولایت طے کر چکتا ہے اور اپنے نسب و جسم و قول و فعل و حرکات و سکنات میں ہر ایسی بات سے منزّہ ہوتا ہے جو باعثِ نفرت ہو، اُسے عقلِ کامل عطا کی جاتی ہے، جو اوروں کی عقل سے بدرجہازائد ہے("المسایرۃ"و"المسامرۃ"، شروط النبوۃ، ص۲۲۶)، کسی حکیم اور کسی فلسفی کی عقل اُس کے لاکھویں حصّہ تک نہیں پہنچ سکتی۔("الحلیۃ"،ج۴، ص۲۹۔۳۰، الحدیث:۴۶۵۲.)

سوال: نبیوں اور رسولوں کی تعداد کے متعلق ہمارا عقیدہ کیاہے؟نیز ان کی تعظیم کرنے کے متعلق کیا حکم ہے؟

جواب: نبیوں اور رسولوں کی کوئی تعداد معین کرنا جائز نہیں کیونکہ اس بارے میں مختلف روایتیں آئی ہیں اور نبیوں کی کسی خاص تعداد پر ایمان لانے میں یہ احتمال ہے کہ کسی نبی کی نبوت کا انکار ہو جائے یا غیر نبی کو نبی مان لیا جائے اور یہ دونوں باتیں کفر ہیں۔

(شرح العقائد النسفیہ، مبحث اول الانبیاء آدم علیہ السلام، ص۳۰۲ و بہارِ شریعت، عقائد متعلقہ نبوت، ۱/۵۲ موضحا)

اس لئے یہ اعتقاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہر نبی پر ہمارا ایمان ہے۔ کیونکہ مسلمان کے لیے جس طرح اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات وصفات پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اسی طرح ہر نبی کی نبوت پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔

نبی کی تعظیم فرضِ عین بلکہ اصلِ تمام فرائض ہے۔ ("جواہر البحار"، ج۳، ص ۲۶۰) کسی نبی کی ادنیٰ توہین یا تکذیب، کفر ہے۔ ("تفسیر روح البیان"، پ۱۰، التوبۃ، ج۳، ص ۳۹۴، تحت الآیۃ: ۱۲) انبیائے کرام، تمام مخلوق یہاں تک کہ رُسُلِ ملائکہ سے افضل ہیں۔ (پ۷، الأنعام: ۸۶.) ولی کتنا ہی بڑے مرتبہ والا ہو، کسی نبی کے برابر نہیں ہو سکتا۔ جو کسی غیرِ نبی کو کسی نبی سے افضل یا برابر بتائے، کافر ہے۔ ("منح الروض الأزہر" ص ۱۲۱)

سوال: کیا موت کے بعد اٹھائے جانے پر ایمان لانا ضروری ہے؟ نیز اس کی کچھ وضاحت فرمائیں۔

جواب: جی ہاں! موت کے بعد قیامت میں دوبارہ اٹھائے جانے پر ایمان لانا ضروری ہے کہ اس کا بیان قرآنِ عظیم میں موجود ہے جیسے کہ پارہ ۱۸ سورۂ مؤمنون کی آیت نمبر ۱۶ میں فرمانے باری تَعَالٰی ہے:

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ۔

ترجمۂ کنز الایمان: پھر تم سب قیامت کے دن اُٹھائے جاؤ گے۔

اور پارہ ۲۳ سورۂ یٰس کی آیت نمبر ۷۹ میں ارشاد ہوا:

قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُ۔

ترجمۂ کنز الایمان: تم فرماؤ اُنھیں وہ زندہ کرے گا جس نے پہلی بار انہیں بنایا اور اسے ہر پیدائش کا علم ہے۔

پس قیامت بیشک قائم ہو گی، اس کا انکار کرنے والا کافر ہے۔

("الشفا"، فصل في بیان ما ھو من المقالات، ج۲، ص ۲۹۰)

حشر صرف رُوح کا نہیں، بلکہ روح و جسم دونوں کا ہے، جو کہے صرف روحیں اُٹھیں گی جسم زندہ نہ ہوں گے، وہ بھی کافر ہے۔ ("المعتقد المنتقد"، ھل الروح أیضاً جسم فلا حشر إلّا جسماني؟، ص ۱۸۱)

دنیا میں جو رُوح جس جسم کے ساتھ متعلق تھی اُس رُوح کا حشر اُسی جسم میں ہو گا، یہ نہیں کہ کوئی نیا جسم پیدا کر کے اس کے ساتھ روح متعلق کر دی جائے۔ ("تفسیر روح البیان"، ج۹، ص۱۰۴)

جسم کے اجزا اگرچہ مرنے کے بعد متفرق ہو گئے اور مختلف جانوروں کی غذا ہو گئے ہوں، مگر اللہ تَعَالٰی ان سب اجزا کو جمع فرما کر قیامت کے دن اٹھائے گا ("البدور السافرة في أمور الآخرة"، للسیوطي، ص۴۱)، قیامت کے دن لوگ اپنی اپنی قبروں سے ننگے بدن، ننگے پاؤں، نَاخَتْنَہ شُدہ (بغیر ختنہ کئے ہوئے) اٹھیں گے۔ (."صحيح مسلم"، كتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب فناء الدنيا... إلخ، الحديث: ۲۸۶۹، ص۱۵۲۹)

سوال: کیا ہر اچھی اور بری تقدیر اللہ تَعَالٰی کی جانب سے ہے؟

جواب: جی ہاں! ہر بھلائی، بُرائی اُس نے اپنے علمِ اَزلی کے موافق مقدّر فرمادی ہے، جیسا ہونے والا تھا اور جو جیسا کرنے والا تھا، اپنے علم سے جانا اور وہی لکھ لیا تو یہ نہیں کہ جیسا اُس نے لکھ دیا ویسا ہم کو کرنا پڑتا ہے، بلکہ جیسا ہم کرنے والے تھے ویسا اُس نے لکھ دیا۔ زید کے ذمّہ برائی لکھی اس لیے کہ زید برائی کرنے والا تھا، اگر زید بھلائی کرنے والا ہوتا وہ اُس کے لیے بھلائی لکھتا تو اُس کے علم یا اُس کے لکھ دینے نے کسی کو مجبور نہیں کر دیا۔ ("شرح النووي"، کتاب الإیمان، ج۱، ص۲۷)

تقدیر کے انکار کرنے والوں کو نبی صلی اللہ تَعَالٰی علیہ وسلم نے اس اُمت کا مجوس بتایا۔

("سنن أبي داود"، کتاب السنة، باب الدلیل علی زیادة الإیمان ونقصانه، الحدیث: ۴۶۹۱، ۴۶۹۲، ص۱۵۶۷.)

سوال: تقدیر کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: تقدیر کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) مُبرَمِ حقیقی: جو علمِ الٰہی میں کسی شے پر معلّق نہیں۔

(۲) معلّقِ محض: کہ صُحفِ ملائکہ میں کسی شے پر اُس کا معلّق ہونا ظاہر فرما دیا گیا ہے۔

(۳) معلّقِ شبیہ بہ مُبرَم: کہ صُحفِ ملائکہ میں اُس کی تعلیق مذکور نہیں اور علمِ الٰہی میں تعلیق ہے۔

وہ جو مُبرَم حقیقی ہے اُس کی تبدیل نا ممکن ہے، اکابر محبوبانِ خدا اگر اتفاقاً اس بارے میں کچھ عرض کرتے ہیں تو اُنھیں اس خیال سے واپس فرمادیا جاتا ہے۔

("مكتوبات إمام رباني"، فارسی، مکتوب نمبر ۲۱۷، ج ۱، ص ۱۲۳۔ ۱۲۴.)

اور جو ظاہر قضائے معلّق ہے، اس تک اکثر اولیا کی رسائی ہوتی ہے، اُن کی دُعا سے، اُن کی ہمّت سے ٹل جاتی ہے اور وہ جو متوسّط حالت میں ہے، جسے صُحفِ ملائکہ کے اعتبار سے مُبرَم بھی کہہ سکتے ہیں، اُس تک خواص اکابر کی رسائی ہوتی ہے۔ حضور سیّدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ اسی کو فرماتے ہیں: "میں قضائے مُبرَم کورد کردیتا ہوں"۔ (بہار شریعت۔ جلد۔ ۱۔ ص ۱۴)

سوال: کیا قیامت کے دن ہونے والے حساب و کتاب پر ایمان لانا ضروری ہے؟

جواب: جی ہاں! قیامت کے دن ہونے والے حساب و کتاب پر ایمان لانا ضروری ہے۔ حساب حق ہے، اعمال کا حساب ہونے والا ہے۔ ("شرح العقائد النسفية"، ص ۱۰۴) حساب کا منکر کافر ہے۔

("الشفا"، فصل في بيان ماهو من المقالات كفر، ج ۲، ص ۲۹۰)

قیامت کے دن ہر شخص کو اُس کا نامۂ اعمال دیا جائے گا، نیکوں کے دہنے ہاتھ میں اور بدوں کے بائیں ہاتھ میں، کافر کا سینہ توڑ کر اُس کا بایاں ہاتھ اس سے پسِ پشت نکال کر پیٹھ کے پیچھے دیا جائے گا۔

(بہار شریعت۔ جلد۔ ۱۔ ص ۱۴۴)

اور حساب کے معنی گنتی و شمار کے ہیں، اور اس سے مراد جن و انس کے اعمال کی گنتی مراد ہے جو قیامت میں سزا و جزا کے لئے بندے کے سامنے کی جائے گی، اس حساب کا ثبوت قرآن و حدیث سے ہے۔ (مرآۃ المناجیح جلد۔ ۷۔ ص ۲۸۴)

سوال: میزان کیا ہے؟ اور کیا اس پر بھی ایمان ہونا ضروری ہے؟

جواب: میزان حق ہے۔ اس پر لوگوں کے اعمال نیک و بد تولے جائیں گے، نیکی کا پلّہ بھاری ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اوپر اُٹھے، دنیا کا سا معاملہ نہیں کہ جو بھاری ہوتا ہے نیچے کو جھکتا ہے۔ (بہار شریعت۔ جلد۔ ا۔ ص ۱۴۶) اور اس پر بھی ایمان لانا ضروری ہے کہ اس کا بیان قرآن میں موجود ہے۔ اعلی حضرت مجدد دین وملت مولانا الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن "فتاوی رضویہ" شریف میں فرماتے ہیں: "وہ میزان یہاں کے ترازو کے خلاف ہے وہاں نیکیوں کا پلّہ اگر بھاری ہو گا تو اُوپر اٹھے گا اور بدی کا پلّہ نیچے بیٹھے گا، جیسے کہ پارہ ۲۲ سورۂ فاطر کی آیت نمبر ۱۰ میں اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

اِلَیۡهِ یَصۡعَدُ الۡكَلِمُ الطَّیِّبُ وَالۡعَمَلُ الصَّالِحُ یَرۡفَعُهٗ۔

ترجمہ کنزالایمان: اسی کی طرف چڑھتا ہے پاکیزہ کلام اور جو نیک کام ہے وہ اسے بلند کرتا ہے۔

جس کتاب میں لکھا ہے کہ "نیکیوں کا پلہ نیچا ہو گا" غلط ہے۔ ("الفتاوی الرضویۃ"، ج ۲۹، ص ۶۲۶)

سوال: جنت کا معنی کیا ہے؟ اور یہ کیا چیز ہے؟

جواب: جنت کے معنی ہیں گھنا باغ جس میں درختوں کی وجہ سے زمین چھپی ہو۔ جیم نون ملیں تو اس میں پوشدگی کے معنی ہوتے ہیں، اسی سے ہے جن، جنون، جنتی، جنہ، چونکہ جنت میں گھنے درخت ہیں، نیز وہ دنیا میں نگاہوں سے چھپی ہے، عالم غیب میں سے ہے اس لئے اسے جنت کہتے ہیں۔ جنت کی تین قسمیں ہیں: کسبی، وہبی، عطائی۔ کسبی جنتی وہ ہیں جو اعمال سے جنت میں جائیں گے، وہبی وہ جو کسی جنتی کے طفیل جنت میں جائیں گے جیسے مسلمانوں کے چھوٹے بچے، عطائی جنتی وہ مخلوق جو جنت کو پُر کرنے کے لئے پیدا کی جائیں گی مگر دوزخ صرف کسبی ہے، اپنی کرنی اپنی بھرنی۔ (مرآۃ المناجیح جلد۔ ۷۔ ص ۳۴۸)

جنت ایک مکان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لیے بنایا ہے، اس میں وہ نعمتیں مہیا کی ہیں جن کو نہ آنکھوں نے دیکھا، نہ کانوں نے سنا، نہ کسی آدمی کے دل پر ان کا خطرہ گزرا۔ جو کوئی مثال اس کی تعریف میں دی جائے سمجھانے کے لیے ہے، ورنہ دنیا کی اعلیٰ سے اعلیٰ شے کو جنت کی کسی چیز کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں۔ (بہار شریعت جلد۔ا۔ص ۱۵۲)

سوال: نار کا کیا معنی ہے؟ اور دوزخ کیا ہے؟

جواب: نار اور نور دونوں کا مادہ ایک ہے، نار کی جمع نیران ہے اور نور کی جمع نیار یا اینار ہے۔ نار کے معنی ہیں آگ، نور کے معنی ہیں روشنی۔ شریعت میں جہاں نار آتا ہے اس سے مراد دوزخ کی آگ ہوتی ہے، اہلِ نار سے مراد کفار ہوتے ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ گنہگار مسلمان اگرچہ کچھ دن دوزخ میں رہیں گے مگر وہ اہلِ نار نہیں کہے جاتے۔ اہلِ خانہ وہ ہوتے ہیں جو گھر میں ہمیشہ رہیں چند روزہ مہمان اہل خانہ نہیں ہوتا ایسے ہی اہلِ نار وہ ہی ہے جو ہمیشہ دوزخ میں رہے۔ (مرآۃ المناجیح جلد۔ ۷۔ ص ۳۸۵)

دوزخ ایک مکان ہے کہ اُس قہار و جبار کے جلال و قہر کا مظہر ہے۔ جس طرح اُس کی رحمت و نعمت کی انتہا نہیں کہ انسانی خیالات و تصورات جہاں تک پہنچیں وہ ایک شِمّہ (سوچ یا سمجھی) ہے اُس کی بے شمار نعمتوں سے، اسی طرح اس کے غضب و قہر کی کوئی حد نہیں کہ ہر وہ تکلیف و اذیت کہ اِدراک کی ("مسند أبي يعلى"، الحديث: ۶۱۶۴، ج۵، ص۳۷۹.) جائے، ایک ادنیٰ حصہ ہے اس کے بے انتہا عذاب کا۔ قرآنِ مجید و احادیث میں اس کی سختیاں مذکور ہیں۔ (بہار شریعت جلد۔ا۔ص ۱۶۳)

سوال: "حَقٌّ كُلُّهُ" سے کیا بتانا چاہتے ہیں؟

جواب: اس عبارت سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مذکورہ بالا تمام چیزیں حق و ثابت ہیں جن کا بیان قرآن و حدیث میں مذکور ہے، ان سب کی دل سے تصدیق کرنا، ایمان اور ان میں سے کسی ایک کا انکار کفر ہے۔

2: وَحْدَانِيَّةُ اللهِ تَعَالیٰ:

وَاللّٰهُ تَعَالیٰ وَاحِدٌ لَا مِنْ طَرِيْقِ الْعَدَلِ وَ لٰكِنَّ مِنْ طَرِيْقٍ اَنَّهُ لَا شَرِيْكَ لَهٗ. قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ(۱) اَللّٰهُ الصَّمَدُ(۲) لَمْ يَلِدْ وَ لَمْ يُوْلَدْ(۳) وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ(۴) لَا يُشْبِهُ شَيْئاً مِنَ الْاَشْيَاءِ مِنْ خَلْقِهٖ. وَ لَا يُشْبِهُهُ شَيْءٌ مِنْ خَلْقِهٖ. لَمْ يَزَلْ وَلَا يُزَالُ بِاَسْمَائِهٖ وَ صِفَاتِهٖ الذَّاتِيَةِ وَ الْفِعْلِيَّةِ۔

ترجمہ: اور اللہ تَعَالیٰ ایک ہے گنتی کے اعتبار سے نہیں بلکہ اس اعتبار سے کہ اس کا کوئی شریک نہیں (جیسے کہ قرآنِ پاک کے سورۂ اخلاص میں مذکور ہے) تم فرماؤ: وہ اللہ ایک ہے۔اللہ بے نیاز ہے۔نہ اس نے کسی کو جنم دیا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ اور کوئی اس کے برابر نہیں۔ اور وہ اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے کسی چیز کے مشابہ نہیں ہے، اور نہ ہی اس کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے کوئی چیز اس کے مشابہ ہے، اور وہ اپنے اسمائے حسنیٰ اور ذاتی و فعلی صفات کے ساتھ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔

سوال: اس باب میں کس چیز کو بیان کیا جا رہا ہے؟

جواب: اس باب میں امامِ اعظم رضی اللہ عنہ معنیٰ توحید کی وضاحت فرما رہے ہیں: کہ اللہ تَعَالیٰ ایک ہے۔

سوال: لفظِ "واحد" اور "احد" کی تشریح بیان کریں۔

جواب: لفظِ واحد وحدۃ سے بنا ہے جس کے معنیٰ اکیلے ہونے کے ہیں، اور کبھی بے نظیر اور بے مثال کو بھی واحد کہہ دیتے ہیں، لفظِ واحد خالق و مخلوق سب پر بولا جاتا ہے، مگر لفظِ اَحَد مطلق اللہ تَعَالیٰ کے سوا کسی پر نہیں بولتے، واحد حقیقتاً وہ ہے جس کا کوئی جز نہ ہو، اور کٹ، بٹ نہ سکے، اور واحد جب اللہ تَعَالیٰ کی صفت ہو تو اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ ذات و صفات و افعال میں اکیلا اور بے مثل کہ نہ اس کے جز اور نہ وہ

کسی کا جز، نہ اس میں کثرت اور زیادتی اور نہ وہ کثرت میں، نہ وہ کسی کی حقیقت اور نہ اس کی کوئی حقیقت، وہ ماہیت وغیرہ سے پاک، ہاں! اس کی شانیں بے شمار ہیں۔ (تفسیرِ نعیمی جلد۔۲۔ص۱۰۷۔رضوی کتاب گھر دہلی)

سوال: کیا اللہ تَعَالیٰ عدد کے اعتبار سے ایک ہے؟

جواب: اللہ تَعَالیٰ عدد کے اعتبار سے ایک نہیں ہے، کیونکہ ہر عدد کے بعد دوسرا عدد ہوتا ہے، جبکہ اللہ تَعَالیٰ کے بعد کوئی دوسرا خدا نہیں، ہاں! اللہ تَعَالیٰ اس اعتبار سے ایک ہے کہ اس کا کوئی شریک نہیں، اور وہ ہر چیز سے بے نیاز ہے، تمام چیزیں اپنی وجود و بقا میں اس کی محتاج ہیں، نہ وہ کسی کا بیٹا اور نہ ہی وہ کسی کا باپ، کیونکہ صفتِ تولد حادث ہے جبکہ اللہ تَعَالیٰ حادث نہیں، اور کوئی اس کے برابر نہیں نہ ذات میں اور نہ صفات میں، کیونکہ وہ واجب ہے، خالق ہے، جبکہ باقی تمام چیزیں ممکن، مخلوق اور حادث ہیں، اس کی صفات ذاتی، قدیم اور غیر محدود ہیں، جبکہ مخلوق کی صفات عطائی، حادث اور محدود ہیں۔

سوال: کیا اللہ تَعَالیٰ اپنی مخلوق میں کسی کے مشابہ ہے؟

جواب: اللہ تَعَالیٰ اپنی مخلوق میں کسی کے مشابہ نہیں کیونکہ وہ واجب الوجود لذاتہ ہے اور اس کے علاوہ تمام چیزیں ممکن الوجود فی حدِّ ذاتہ ہیں، اور اس لئے بھی کہ اللہ تَعَالیٰ صمد، غنی ہے کہ کسی کا محتاج نہیں جبکہ مخلوقات اپنے وجود میں محتاج ہیں جیسے کہ پارہ ۲۶ سورۂ محمد کی آیت نمبر ۳۸ میں اللہ تَعَالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَ اللّٰهُ الْغَنِیُّ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ۔

ترجمہ کنزالایمان: اور اللہ بے نیاز ہے اور تم سب محتاج ہو۔

سوال: اس عبارت "وَ لَا يُشْبِهُهُ شَيْئٌ مِنْ خَلْقِهِ" سے کیا بتانا چاہتے ہیں؟

جواب: اصل میں یہ عبارت ما قبل کی عبارت ''لَا یُشْبِهُ شَیْئًا مِنَ الْاَشْیَاءِ مِنْ خَلْقِهٖ'' کی تاکید و تقریر ہے، جو اللہ تعَالیٰ کے فرمان (لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ۔ پ ۲۵ الشوری۔۱۱) سے مستفاد ہے۔(منح الروض الازہر ص ۲۳) یعنی اللہ تعَالیٰ کی مخلوق میں سے کوئی بھی چیز اللہ تعَالیٰ کے مشابہ نہیں۔

سوال: کیا اللہ تعَالیٰ اپنی ذات و صفات کے ساتھ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا؟

جواب: جی ہاں! اللہ تعَالیٰ اپنے اسمائے حسنیٰ اور ذاتی و فعلی صفات کے ساتھ ازل یعنی ہمیشہ سے ہے اور ابد یعنی ہمیشہ تک رہے گا۔ہاں! ماتریدیہ اور اشاعرہ کے مابین کچھ اختلاف ہے اور وہ یہ کہ: ماتریدیہ کے نزدیک اللہ تعَالیٰ کی ذات و صفات سب قدیم ہیں جبکہ اشاعرہ کے نزدیک اللہ تعَالیٰ کی ذات قدیم اور صفاتِ فعلیہ حادث ہیں۔ صفاتِ ذاتیہ و فعلیہ کا بیان ان شاء اللہ عزوجل آئندہ عبارت میں بالتفصیل آرہا ہے۔(منح الروض الازہر ص ۲۴)

صلوا علی الحبیب
صلی اللہ علی محمد
صلی اللہ علیہ والہ وسلم

3: اَلصِّفَاتُ الذَّاتِيَةُ وَ الْفِعْلِيَّةُ:

اَمَّا الذَّاتِيَةُ فَالْحَيَاةُ وَ قُدْرَةُ وَ الْعِلْمُ وَ الْكَلَامُ وَ السَّمْعُ وَ الْبَصَرُ وَ الْاِرَادَةُ۔ وَ اَمَّا الْفِعْلِيَّةُ فَالتَّخْلِيقُ وَ التَّرْزِيقُ وَ الْاِنْشَاءُ وَ الْاِبْدَاعُ وَالصُّنْعُ وَ غَيْرُ ذَالِكَ مِنْ صِفَاتِ الْفِعْلِ ، لَمْ يَزَلْ وَلَا يَزَالُ بِاَسْمَائِهِ وَ صِفَاتِهِ ، لَمْ يَحْدُثْ لَهٗ اِسْمٌ وَلَا صِفَةٌ۔

ترجمہ: رہی (اللہ تَعَالٰی کی صفاتِ ذاتیہ تو وہ (۱)حیات اور(۲) قدرت اور(۳) علم اور(۴)کلام اور(۵)سننا اور(۶) دیکھنا اور(۷)ارادہ کرنا ہیں۔ اور رہی صفاتِ فعلیہ تو وہ پیدا کرنا اور روزی دینا اور ایجاد کرنا اور بغیر مادہ کے پیدا کرنا اور صنعت گری وغیرہ(ان جیسی دیگر صفات بھی) صفاتِ فعلیہ میں سے ہیں ۔اللہ تَعَالٰی اپنے اسمائے حسنیٰ اور جملہ صفات کے ساتھ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، اللہ تَعَالٰی کا کوئی نام حادث نہیں ہے اور نہ کوئی صفت (حادث ہے)۔

سوال: اللہ تَعَالٰی کی صفات کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: اللہ تَعَالٰی کی صفات کی دو قسمیں ہیں: (۱)صفاتِ ذاتیہ (۲)صفاتِ فعلیہ۔

سوال: صفاتِ ذاتیہ سے مراد کون سی صفات ہیں؟ اور یہ کتنی ہیں؟

جواب: صفاتِ ذاتیہ سے مراد ایسی صفات ہیں جو اللہ تَعَالٰی کی ذات کے ساتھ ہمیشہ سے متصل ہیں، اور اس سے وہ صفات کسی بھی لمحہ کے لئے جدا نہیں ہو سکتیں۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے یہاں پر صرف سات صفاتِ ذاتیہ کو بیان فرمایا ہے حالانکہ ان کے علاوہ اور بھی ہیں جیسے الاحدیة فی الذات، الواحدیة فی الصفات، الصمدیة عن الممکنات، العظمة، الکبریاء وغیرہا۔

(منح الروض الازہر ص ۳۳)

سوال: اللّٰہ تَعَالیٰ کی صفتِ ذاتی الحیاۃ سے کیا مراد ہے؟

جواب: اللہ تَعَالیٰ کی صفتِ ذاتی الحیاۃ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعَالیٰ حَی ہے یعنی خود زندہ ہے اور سب کی زندگی اس کے دستِ قدرت میں ہے، جسے چاہے زندہ کرے اور جسے چاہے موت دے۔ جیسے کہ اللہ تبارک وتَعَالیٰ قرآنِ پاک کے پارہ ۳ سورۂ آلِ عمران کی آیت نمبر ۲ میں ارشاد فرماتا ہے:

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔

ترجمہ کنزالایمان: اللہ ہے جس کے سوا کسی کی پوجا نہیں، آپ زندہ، اوروں کا قائم رکھنے والا۔

سوال: اللّٰہ تَعَالیٰ کی صفتِ ذاتی القدرۃ سے کیا مراد ہے؟

جواب: اللہ تَعَالیٰ کی صفتِ ذاتی القدرۃ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعَالیٰ ہر ممکن پر قادر ہے، کوئی ممکن اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ اور اس کے متعلق اللہ تعَالیٰ پارہ ۷ سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۱۲۰ میں ارشاد فرماتا ہے:

لِلّٰہِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا فِیْهِنَّ ؕ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

ترجمہ کنزالایمان: اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کی سلطنت اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس آیت کے تحت تفسیرِ خزائن العرفان میں ہے: قدرت ممکنات سے متعلق ہوتی ہے نہ کہ واجبات و محالات سے تو معنٰی آیت کے یہ ہیں کہ اللہ تعَالیٰ ہر امرِ ممکن الوجود پر قادر ہے۔ (جمل) کذب وغیرہ عیوب وقبائح اللہ سُبحانہ تبارك و تعالیٰ کے لئے محال ہیں، ان کو تحتِ قدرت بتانا اور اس آیت سے سند لانا غلط و باطل ہے۔

جو چیز مُحال ہے، اللہ عزوجل اس سے پاک ہے کہ اُس کی قدرت اُسے شامل ہو، کہ مُحال اسے کہتے ہیں جو موجود نہ ہوسکے اور جب مقدور ہو گا تو موجود ہوسکے گا، پھر مُحال نہ رہا۔ اسے یوں سمجھو کہ دوسرا خدا مُحال ہے یعنی نہیں ہوسکتا تو یہ اگر زیرِ قدرت ہو تو موجود ہوسکے گا تو مُحال نہ رہا اور اس کو مُحال نہ ماننا وحدانیت کا انکار ہے۔ یوہیں فنائے باری مُحال ہے، اگر تحتِ قدرت ہو تو ممکن ہوگی اور جس کی فنا ممکن ہو وہ خدا نہیں۔ تو ثابت ہوا کہ مُحال پر قدرت ماننا اللہ (عزوجل) کی اُلوہیت سے ہی انکار کرنا ہے۔

("الفتاوی الرضویۃ"، "سبحن السبوح عن عیب کذب مقبوح" ج ۱۵، ص ۳۲۲.)

وہ ہر کمال و خوبی کا جامع ہے اور ہر اُس چیز سے جس میں عیب و نقصان ہے پاک ہے، یعنی عیب و نقصان کا اُس میں ہونا مُحال ہے، بلکہ جس بات میں نہ کمال ہو، نہ نقصان، وہ بھی اُس کے لیے مُحال، مثلاً جھوٹ، دغا، خیانت، ظلم، جہل، بے حیائی وغیرہا عیوب اُس پر قطعاً محال ہیں اور یہ کہنا کہ جھوٹ پر قدرت ہے بایں معنی کہ وہ خود جھوٹ بول سکتا ہے، مُحال کو ممکن ٹھہرانا اور خدا کو عیبی بتانا بلکہ خدا سے انکار کرنا ہے اور یہ سمجھنا کہ مُحالات پر قادر نہ ہو گا تو قدرت ناقص ہو جائے گی باطل محض ہے، کہ اس میں قدرت کا کیا نقصان! نقصان تو اُس مُحال کا ہے کہ تعلّقِ قدرت کی اُس میں صلاحیت نہیں۔ ("المسامرۃ بشرح المسایرۃ"، ص ۳۹۳)

سوال: اللّٰہ تَعَالیٰ کی صفتِ ذاتی العلم سے کیا مراد ہے؟

جواب: اللہ تَعَالیٰ کی صفتِ ذاتی العلم سے مراد یہ ہے کہ اللہ تَعَالیٰ کا علم ہر شے کو محیط ہے، وہ غیب و شہادت سب کو جانتا ہے۔ اور اس پر اللہ تَعَالیٰ کا ارشاد موجود ہے، چنانچہ پارہ ۲۸ سورۂ طلاق کی نمبر ۱۲ میں ارشاد ہوتا ہے:

وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا۔

ترجمۂ کنزالایمان: اور اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔

اور بہارِ شریعت جلد ۔۱۔ص ۱۰۔۱۱ پر ہے : اُس کا علم ہر شے کو محیط یعنی جزئیات، کلیات، موجودات، معدومات، ممکنات، مُحالات، سب کو اَزل میں جانتا تھا اور اب جانتا ہے اور اَبد تک جانے گا، اشیاء بدلتی ہیں اور اُس کا علم نہیں بدلتا، دلوں کے خطروں اور وَسوسوں پر اُس کو خبر ہے اور اُس کے علم کی کوئی انتہا نہیں۔

وہ غیب و شہادت سب کو جانتا ہے، علمِ ذاتی اُس کا خاصہ ہے، جو شخص علمِ ذاتی، غیب خواہ شہادت کا غیرِ خدا کے لئے ثابت کرے کافر ہے۔ علمِ ذاتی کے یہ معنی کہ بے خدا کے دئے خود حاصل ہو۔

("الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ"، ص ۳۹)

سوال: اللّٰہ تَعَالیٰ کی صفتِ ذاتی الکلام سے کیا مراد ہے؟

جواب: اللّٰہ تَعَالیٰ کی صفتِ ذاتی الکلام سے مراد یہ ہے کہ اللّٰہ تَعَالیٰ کلام فرماتا ہے جیسے کہ پارہ ٦ سورۂ نساء کی آیت نمبر ۱٦۴ میں ارشادِ باری تَعَالیٰ ہے:

وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا۔

ترجمہ کنز الایمان: اور اللہ نے موسیٰ سے حقیقتاً کلام فرمایا۔

مگر اس کا کلام زبان سے نہیں، اور اس کا کلام آواز و الفاظ و حروف سے پاک ہے۔ مثل دیگر صفات کے کلام بھی قدیم ہے، حادث و مخلوق نہیں، جو قرآنِ عظیم کو مخلوق مانے ہمارے امامِ اعظم و دیگر ائمہ رضی اللّٰہ تَعَالیٰ عنھم نے اُسے کافر کہا ("منح الروض الأزہر"، ص ۲٦)، بلکہ صحابہ رضی اللّٰہ تَعَالیٰ عنھم سے اُس کی تکفیر ثابت ہے۔ ("الفتاوی الرضویۃ"، ج ۱۵، ص ۳۷۹۔۳۸۴.)

اُس کا کلام آواز سے پاک ہے ("منح الروض الأزہر"، للقارئ، ص ۱۷) اور یہ قرآنِ عظیم جس کو ہم اپنی زبان سے تلاوت کرتے، مَصاحِف میں لکھتے ہیں، اُسی کا کلام قدیم بلا صوت ہے اور یہ ہمارا پڑھنا لکھنا

اور یہ آواز حادث، یعنی ہمارا پڑھنا حادث ہے اور جو ہم نے پڑھا قدیم اور ہمارا لکھنا حادث اور جو لکھا قدیم، ہمارا سننا حادث ہے اور جو ہم نے سنا قدیم، ہمارا حفظ کرنا حادث ہے اور جو ہم نے حفظ کیا قدیم یعنی متجلّی یعنی کلام الٰہی، قدیم ہے، اور تجلّی یعنی ہمارا پڑھنا، سننا، لکھنا، یاد کرنا یہ سب حادث ہے۔

سوال: اللّٰہ تَعَالیٰ کی صفتِ ذاتی السمع سے کیا مراد ہے؟

جواب: اللہ تَعَالیٰ کی صفتِ ذاتی السمع سے مراد یہ ہے کہ اللہ تَعَالیٰ سمیع ہے یعنی ہر پست سے پست آواز کو سنتا ہے مگر اس کا سننا کان سے نہیں ہے۔ اور اُس کا سننا انہیں چیزوں پر منحصر نہیں، بلکہ ہر موجود کو سنتا ہے۔ جیسے کہ پارہ ۲۴ سورۂ مؤمن کی آیت نمبر ۲۰، میں ارشادِ باری تَعَالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ۔

ترجمۂ کنز الایمان: بے شک اللہ ہی سُنتا دیکھتا ہے۔

سوال: اللّٰہ تَعَالیٰ کی صفتِ ذاتی البصر سے کیا مراد ہے؟

جواب: اللہ تَعَالیٰ کی صفتِ ذاتی البصر سے مراد یہ ہے کہ اللہ تَعَالیٰ بصیر ہے یعنی ہر باریک سے باریک کو جو خُوردبین سے محسوس نہ ہو وہ دیکھتا ہے مگر اس کا دیکھنا آنکھ سے نہیں ہے، کہ آنکھ جسم ہے اور جسم سے وہ پاک ہے۔ جیسے کہ پارہ ۲۴ سورۂ مؤمن کی آیت نمبر ۲۰، میں ارشادِ باری تَعَالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ۔

ترجمۂ کنز الایمان: بے شک اللہ ہی سُنتا دیکھتا ہے۔

سوال: اللّٰہ تَعَالیٰ کی صفتِ ذاتی الارادۃ سے کیا مراد ہے؟

جواب: اللہ تَعَالیٰ کی صفتِ ذاتی الارادۃ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تَعَالیٰ ارادہ و مشیت کی صفت سے متصف ہے، اُس کی مشیت اور اِرادہ کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا، تمام چیزوں کو اپنے ارادے سے پیدا فرماتا

ہے اور ان میں اپنے ارادے سے تصرف فرماتا ہے، یہ نہیں کہ بے ارادہ اس سے افعال سرزد ہوتے ہیں، جیسے کہ پارہ ٦ سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ا میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ۔

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک اللہ حکم فرماتا ہے جو چاہے۔

سوال: صفاتِ فعلیہ سے مراد کیا ہے؟

جواب: فعلی صفات سے مراد وہ صفات ہیں جن کا ظہور تب ہوتا ہے جب وہ اس کی مخلوق پر واقع ہوتی ہیں، اور مخلوق کے حق میں اس کا نتیجہ اچھے یا برے، نعمت یا نقمت، رحمت یا زحمت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ صفات اللہ تعالیٰ کے ساتھ بالقوۃ ازل سے متصل چلی آرہی ہیں اور ان کا اظہار بالفعل وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے۔

اور اس کو بلفظِ دیگر یوں سمجھیں کہ صفاتِ فعلیہ وہ ہیں کہ جن صفات سے وہ موصوف ہو، ان کی ضد سے بھی وہ موصوف ہو۔ مگر ان صفات کا تعلق اور اثر غیر (مخلوق) کے ساتھ ہوگا، جیسے مارنا اور جلانا، صحت دینا اور بیماری ڈالنا، غنی کرنا اور فقیر کرنا، وغیرہ وغیرہ، ان صفات کو صفاتِ اضافیہ بھی کہتے ہیں۔ اصل میں ان صفات اور ان جیسی سب صفاتِ فعلیہ کو صفتِ تکوین کی تفصیل سمجھنا چاہئے۔(توضیح العقائد ص ٣٣)

سوال: چند صفاتِ فعلیہ ذکر کریں۔

جواب: اللہ تعالیٰ کی صفاتِ فعلیہ میں سے چند یہ ہیں: (١) تخلیق: اس سے مراد مخلوقات کو پیدا کرنا ہے۔ (٢) ترزیق: اس سے مراد مخلوقات کو روزی دینا ہے۔ (٣) انشاء: اس کا معنی پیدا کرنا، پرورش کرنا اور تربیت کرنا ہے، اور اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کی بتدریج پرورش فرماتا ہے اور ان کو نقطۂ کمال تک پہنچاتا ہے۔ (٤) ابداع: اس کا معنی کسی چیز کو بغیر مادہ کے اور بغیر نمونے کے پیدا کرنے کے ہیں، پس جب اللہ تعالیٰ

نے تمام مخلوقات کو پیدا فرمانا چاہا تو اس وقت نہ ان کا کوئی مادہ تھا اور نہ کوئی نمونہ، مگر اللہ تعَالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کے ذریعہ لفظِ کن سے پیدا فرما دیا۔(۵) صنع:اس کا معنی صنعت گری کرنا ہے،اور اس کا اظہار مصنوعات کے ظاہر ہونے کے وقت ہوتا ہے۔

اللہ تعَالیٰ کی صفاتِ فعلیہ ان کے علاوہ بھی ہیں یہاں پر چند کا ذکر کرنا حصر کے لئے نہیں،بلکہ مثال کے لئے ہیں،ان کے علاوہ جیسے زندہ کرنا،فنا کرنا،اگانا،بڑھانا،چیزوں کو ان کی اصل سے پھیرنا۔اور یہ تمام کی تمام صفت تکوین کے تحت داخل ہیں۔(منح الروض الازہر ص ۳۵)

سوال:کیا اللہ تَعَالیٰ کے اسمائے حسنی اور صفات حادث ہیں؟

جواب: اللہ تعَالیٰ کے تمام اسمائے حسنیٰ اور صفات ہمیشہ سے ہیں، ان کی کوئی ابتداء نہیں، اور ہمیشہ رہیں گی کہ ان کی کوئی انتہاء نہیں، اللہ تعَالیٰ کا کوئی نام اور کوئی صفت حادث نہیں، ذات وصفات کے سِوا سب چیزیں حادث ہیں، یعنی پہلے نہ تھیں پھر موجود ہوئیں۔بہارِ شریعت جلد۔ا۔ص ۴ میں ہے: جس طرح اُس کی ذات قدیم اَزلی اَبدی ہے،صفات بھی قدیم اَزلی اَبدی ہیں۔صفاتِ الٰہی کو جو مخلوق کہے یا حادث بتائے،گمراہ بد دین ہے۔("المعتقد المنتقد"،ص ۴۹:)

سوال:حادث اور قدیم کسے کہتے ہیں؟

جواب: جو پہلے نہ ہو اور پھر کسی کے پیدا کرنے سے ہو وہ ممکن اور حادث ہے،اور جو ہمیشہ سے ہو اور خود بخود ہو وہ واجب اور قدیم ہے۔پس اللہ تعَالیٰ کی ذات اور صفات کے علاوہ سب حادث ہیں یعنی پہلے نہ تھے پھر پیدا کرنے سے پیدا ہوئے۔

سوال:یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ صفات فعلیہ ازلی اور قدیم کس طرح ہیں؟ کیونکہ اللہ تَعَالیٰ رازق اس وقت ہوگا جب کہ کوئی مرزوق ہوگا۔پس جب مخلوق نہ تھی تو صفاتِ فعلیہ بھی نہ تھیں

لہذا یہ صفات حادث ہوئیں، اور اگر یہ صفات قدیم ہیں تو مخلوق کا بھی قدیم ہونا لازم آئے گا، اس کا جواب کیا ہوگا؟

جواب: صفاتِ فعلیہ کا ظہور البتہ غیر پر موقوف ہے یعنی جب تک کوئی غیر نہ ہو یہ صفات ظاہر نہ ہوں گی، مگر خود صفات کا ہونا کسی غیر پر موقوف نہیں، مثلاً ایک شخص کو کتابت یعنی لکھنا آتا ہے اور یہ وصف اس کو ہمیشہ سے حاصل ہے لیکن یہ وصف ظاہر کب ہوگا؟ کہ جب وہ کچھ لکھے گا، حالانکہ وصفِ کتابت کا ہونا لکھنے پر موقوف نہیں، کہ اگر وہ تمام عمر کچھ نہ لکھے تب بھی اس کو وصفِ کتابت حاصل رہے گا اور اس کو کاتب کہیں گے، پس اسی طرح ازل میں نہ کسی مخلوق کی ہستی تھی اور نہ کسی مرزوق کی، لیکن یہ سب وصف اللہ تعالیٰ کو بخوبی حاصل تھے، اور اس سے نہ تو عالم کا قدیم ہونا لازم آیا اور نہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا حادث ہونا۔ اس جواب کو خوب غور سے سمجھ لیجئے کہ اکثر اسی شبہ میں مردود ہوتے ہیں۔ (توضیح العقائد ص ۳۴)

4: صِفَاتُ اللهِ اَزَلِيَّةٌ:

لَمْ يَزَلْ عَالِماً بِعِلْمِهٖ ،وَ الْعِلْمُ صِفَةٌ فِي الْاَزَلِ،وَ قَادِراً بِقُدْرَتِهٖ ،وَ الْقُدْرَةُ صِفَةٌ فِي الْاَزَلِ،وَ مُتَكَلِّماً بِكَلَامِهٖ وَ الْكَلَامُ صِفَةٌ فِي الْاَزَلِ،وَ خَالِقاً بِتَخْلِيْقِهٖ وَ التَّخْلِيْقُ صِفَةٌ فِي الْاَزَلِ،وَ فَاعِلاً بِفِعْلِهٖ وَ الْفِعْلُ صِفَةٌ فِي الْاَزَلِ،وَ الْفَاعِلُ هُوَ اللّٰهُ تَعَالىٰ وَالْفِعْلُ صِفَةٌ فِي الْاَزَلِ،وَ الْمَفْعُوْلُ مَخْلُوْقٌ وَ فِعْلُ اللّٰهِ تَعَالىٰ غَيْرُ مَخْلُوْقٍ، وَ صِفَاتُهٗ فِي الْاَزَلِ،غَيْرُ مُحْدَثَةٍ وَلَا مَخْلُوْقَةٍ، فَمَنْ قَالَ : اِنَّهَا مَخْلُوْقَةٌ اَوْ مُحْدَثَةٌ اَوْ وَقَفَ اَوْ شَكَّ فِيْهَا فَهُوَ كَافِرٌ بِاللّٰهِ تَعَالىٰ۔

ترجمہ: اللہ تَعَالیٰ اپنے علم کے ساتھ ہمیشہ سے عالم ہے،اور (اللہ کا) علم ہمیشہ سے (اس کی) صفت ہے،اور وہ اپنی قدرت کے ساتھ ہمیشہ سے قادر ہے،اور قدرت ہمیشہ سے (اس کی)صفت ہے،اور وہ اپنے کلام کے ساتھ ہمیشہ سے متکلم ہے،اور کلام ہمیشہ سے (اس کی)صفت ہے،اور وہ اپنے پیدا کرنے کی صفت کے ساتھ ہمیشہ سے خالق ہے،اور تخلیق ہمیشہ سے (اس کی)صفت ہے،اور وہ اپنے فعل کے ساتھ ہمیشہ سے فاعل ہے،اور فعل ہمیشہ سے (اس کی)صفت ہے،(کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے اس کا) کرنے والا اللہ تَعَالیٰ ہے،اور فعل ہمیشہ سے (اس کی)صفت ہے،اور اس کے فعل کا محلّ ِوقوع مخلوق ہے،اور اللہ تَعَالیٰ کا فعل غیرِ مخلوق ہے،اور اللہ تَعَالیٰ کی تمام صفات ہمیشہ سے ہیں،حادث نہیں ہیں،اور نہ ہی مخلوق ہیں،پس جو یہ کہے کہ اللہ تَعَالیٰ کی صفات مخلوق ہیں یا حادث ہیں،یا (ان کے بارے میں) توقف کرے،یا (ان میں) شک کرے،تو وہ اللہ تَعَالیٰ کا انکار کرنے والا ہے۔

سوال: اس فصل میں اللّٰہ تَعَالیٰ کی صفات کے متعلق کیا عقیدہ بیان کیا گیا ہے؟

جواب:اس فصل میں اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق یہ عقیدہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جملہ صفات ازلی ہیں یعنی ہمیشہ سے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا تعلق خود اس کی ذات سے ہے، لہذا صفات بھی ہر لحاظ سے ذات کی طرح قدیم، ازلی اور ابدی ہیں حادث و مخلوق نہیں، ہاں! اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے علاوہ سب چیزیں حادث ہیں یعنی پہلے نہ تھیں پھر موجود ہوئیں، اور صفاتِ الٰہی عزوجل کو جو شخص مخلوق یاحادث بتائے یا اس مسئلے میں توقف کرے یا شک وشبہ میں مبتلا ہو وہ امام اعظم کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا انکار کرنے والا ہے،

جبکہ بہار شریعت جلد۔۱۔ص۴، میں ہے: صفاتِ الٰہی کو جو مخلوق کہے یاحادث بتائے، گمراہ بد دین ہے۔("المعتقد المنتقد"، ص۴۹)

ہاں! جو عالَم میں سے کسی شے کو قدیم مانے یا اس کے حدوث میں شک کرے، کافر ہے۔

("الشفا"، فصل في بيان ماهو من المقالات كفر، ج۲، ص۲۸۳)

اور جو چیز اللہ تعالیٰ کے فعل سے وجود میں آئے وہ مخلوق ہے حادث ہے، لیکن خود اللہ تعالیٰ کا فعل قدیم ازلی ابدی ہے۔

5: اَلْقَوْلُ فِی الْقُرْآنِ:

وَ الْقُرْآنُ كَلَامُ اللّٰهِ تَعَالٰى فِي الْمَصَاحِفِ مَكْتُوْبٌ، وَ فِي الْقُلُوْبِ مَحْفُوْظٌ، وَ عَلَى الْاَلْسُنِ مَقْرُوْءٌ، وَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّم مُنَزَّلٌ، وَ لَفْظُنَا بِالْقُرْآنِ مَخْلُوْقٌ، وَ كِتَابَتُنَا لَهٗ مَخْلُوْقَةٌ، وَ قِرَائَتُنَا لَهٗ مَخْلُوْقَةٌ، وَ الْقُرْآنُ غَيْرُ مَخْلُوْقٍ، وَ مَا ذَكَرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي الْقُرْآنِ عَنْ مُوْسٰى وَ غَيْرِهٖ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ (عَلَيْهِمُ السَّلَامُ) وَ عَنْ فِرْعَوْنَ وَ اِبْلِيْسَ، فَاِنَّ ذَالِكَ كُلُّهٗ كَلَامُ اللّٰهِ تَعَالٰى اِخْبَاراً عَنْهُمْ، وَ كَلَامُ اللّٰهِ تَعَالٰى غَيْرُ مَخْلُوْقٍ، وَ كَلَامُ مُوْسٰى وَ غَيْرِهٖ مِنَ الْمَخْلُوْقِيْنَ مَخْلُوْقٌ، وَ الْقُرْآنُ كَلَامُ اللّٰهِ تَعَالٰى فَهُوَ قَدِيْمٌ لَا كَلَامُهُمْ۔

ترجمہ: اور قرآن اللہ تَعَالٰی کا کلام ہے جو مصاحف میں لکھا ہوا ہے، اور دلوں میں محفوظ ہے، اور زبان پر پڑھا ہوا ہے، اور نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم پر اتارا گیا ہے، اور ہمارا قرآن کا تلفظ کرنا مخلوق ہے (ہم اپنی زبان سے قرآن کے جو الفاظ ادا کرتے ہیں وہ مخلوق ہیں) اور ہمارا قرآن کا تحریر کرنا مخلوق ہے، اور ہمارا قرآن کی قراءت کرنا مخلوق ہے، اور قرآن (بحیثیت کلام اللہ) غیر مخلوق ہے، اور قرآن میں اللہ تَعَالٰی نے حضرتِ موسیٰ علیہ السلام اور ان کے علاوہ دیگر انبیاء علیہم السلام نیز فرعون و ابلیس کی جو باتیں ذکر کی ہیں وہ سب کی سب باتیں اللہ تَعَالٰی کا کلام ہیں، جس میں ان کی کہی ہوئی باتوں کی خبر دی گئی ہے، اور اللہ تَعَالٰی کا کلام غیرِ مخلوق ہے، اور حضرتِ موسیٰ علیہ السلام اور ان کے علاوہ دیگر مخلوقات کا کلام مخلوق ہے، اور قرآن اللہ تَعَالٰی کا کلام ہے اور وہ قدیم ہے، (لیکن) ان مخلوقات کا کلام قدیم نہیں (بلکہ حادث ہے)۔

سوال: قرآن کے مخلوق ہونے یا نہ ہونے میں ہمارا اور معتزلہ کا کیا مؤقف ہے؟

جواب: مؤقفِ معتزلہ: معتزلہ قرآنِ مجید کو حادث اور مخلوق مانتے ہیں۔

مؤقفِ اہلِ سنت: اہلِ سنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ قرآن مجید اللہ تَعَالٰی کا کلام ہے اور اللہ کا کلام اس کی صفت ہے اور صفت موصوف کے تابع ہوتی ہے، لہذا اللہ تَعَالٰی کی جملہ صفات، اللہ تَعَالٰی کی ذات کی طرح ازلی قدیم اور غیر مخلوق ہے۔

دلیلِ اہلِ سنت: اس لئے کہ اللہ تَعَالٰی ازل سے اپنی ذات و صفات کے اعتبار سے کامل مکمل اور اکمل چلا آرہا ہے، اور وہ اپنی ذات و صفات میں کسی بھی قسم کی کمی، خامی اور نقص سے ہمیشہ سے پاک ہے، کوئی دور ایسا نہیں آیا کہ اس کی ذات میں کسی چیز کی کمی تھی جو بعد میں پوری ہوئی ہو، یا اس کی صفت نہ مکمل تھی جو بعد میں مکمل ہوئی ہو، لہذا اس کی جملہ صفات کی طرح اس کا کلام بھی قدیم اور غیر مخلوق ہے۔

سوال: جو قرآن ہم پڑھتے لکھتے ہیں کیا یہ مخلوق ہے؟

جواب: جی! ہاں! ہم جب قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں تو یہ ہمارا عمل ہے، چونکہ ہم مخلوق ہیں لہذا ہمارا یہ عمل بھی حادث اور مخلوق ہے، نیز الفاظ کو تحریر کرنے کے لئے ہم نے حروف کی جو علامات وضع کی ہیں وہ بھی ہماری ایجاد ہے، جن کی شکل و صورت میں ضرورت کے لئے یا خوشنمائی کے لئے اکثر و بیشتر ہم تبدیلی کرتے رہتے ہیں، وہ بھی مخلوق اور حادث ہے، اسی طرح کاغذ، روشنائی، قلم وغیرہ بھی مخلوق و حادث ہیں۔ (منح الروض الازہر ص ۴۲)

سوال: قرآن میں جو دیگر مخلوقات کے کلام ذکر کئے گئے ہیں ان کے متعلق کیا حکم ہے؟

جواب: قرآن پاک از ابتداء تا انتہاء پورا کا پورا اللہ تَعَالٰی کا کلام ہے، جو امثال و حکم، وعدہ و وعید، محکم و متشابہ، اوامر و نواہی، عقائد و ایمانیات، مواعظ و نصائح اور قصص و حکایات جیسے مختلف مضامین پر مشتمل ہے، قرآن پاک میں جابجا انبیاء و رسل اور صالحینِ امم سابقہ کی باتوں اور ان کے کلام کو بھی بیان کیا

گیا ہے، نیز بعض دشمنانِ خدا جیسے ابلیس، فرعون، یہود و نصاریٰ، کفار و مشرکین کی باتیں اور اعتراضات بھی قرآن میں بیان ہوئی ہیں، قرآن کی وہ آیات جن میں خدا کی مخلوقات کا کلام مذکور ہے وہ بھی کلام اللہ ہیں، اور اسی کی طرح قدیم ہیں، چونکہ اللہ تَعَالٰی کا علمِ بے کراں لا محدود اور ازلی و ابدی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ ازل سے ہی اپنے اس وسیع علم کے ذریعے نہ صرف ان کے کلام اور گفتگو کو لفظ بلفظ جانتا تھا بلکہ ان کے انداز و اطوار، گفتگو، لب و لہجہ اور نیتوں اور ارادوں تک سے واقف تھا اور یہ باتیں زمین و آسمان اور روح کی پیدائش سے قبل ہی لوحِ محفوظ میں لکھی جاچکی تھیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے جس کلام میں بظاہر ان کی طرف سے ان کی جن باتوں کو بیان فرمایا ہے اس کا وہ کلام بھی ازلی و قدیم ہے، البتہ ان مخلوقات نے اپنے اپنے وقت میں اور اپنی اپنی زبان سے جب یہی کلام ادا کیا تو ان کا یہ کلام خود ان کی طرح مخلوق ہے۔

یہ تصور کرنا ہرگز درست نہیں کہ انبیاء، فرشتوں یا ابلیس و فرعون جب یہ گفتگو کر چکے تو یہ باتیں اللہ تَعَالٰی کے علم میں آئیں، اور پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی کتاب میں نقل کیا، اس تصور سے اللہ تعالیٰ کے علم کے ناقص و نامکمل ہونا لازم آتا ہے جو کہ درست نہیں ہے، کیونکہ ایسی ہستی خدا بننے کی اہل نہیں ہو سکتی، جس کا علم ناقص و نامکمل ہو، یا حادث ہو، اللہ تَعَالٰی ایسے تمام عیوب سے پاک اور بلند و برتر ہے۔

(منح الروض الازہر ص ۴۷۔۴۸)

وَ سَمِعَ مُوسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ کَلَامَ اللّٰہِ تَعَالیٰ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ : وَ کَلَّمَ اللّٰہُ مُوسٰی تَکْلِیْمًا(نساء ۱۶۴)وَ قَدْ کَانَ اللہُ تَعَالیٰ مُتَکَلِّماً وَ لَمْ یَکُنْ کَلَّمَ مُوسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَ قَدْ کَانَ اللّٰہُ تَعَالیٰ خَالِقاً فِی الْاَ زَلِ وَ لَمْ یَخْلُخِ الْخَلْقَ فَلَمَّا کَلَّمَ اللّٰہُ مُوسٰی کَلَّمَہٗ بِکَلَامِہٖ الَّذِی ھُوَ لَہٗ صِفَۃٌ فِی الْاَزَلِ۔

ترجمہ:اور موسی علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ ہی کے کلام کو سنا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:"اور اللہ نے موسیٰ سے حقیقتاً کلام فرمایا"۔اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت بھی متکلم تھا حالانکہ (جس وقت)اس نے موسی علیہ السلام سے کلام بھی نہ فرمایا تھا(جیسا کہ) اللہ تعالیٰ ازل میں اس وقت بھی خالق تھا ،جبکہ ابھی اس نے کسی مخلوق کو پیدا نہیں فرمایا تھا، پس جب اللہ تعالیٰ نے موسی علیہ السلام سے کلام فرمایا تو اپنے اس کلام کے ساتھ کلام فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی صفت ازلی ہے۔

وَ صِفَاتُہٗ کُلُّھَا بِخِلَافِ صِفَاتِ الْمَخْلُوْقِیْنَ۔یَعْلَمُ لَا کَعِلْمِنَا، وَ یَقْدِرُ لَا کَقُدْرَتِنَا، وَ یَرٰی لَا کَرُؤْیَتِنَا، وَ یَتَکَلَّمُ لَا کَکَلَامِنَا، وَ یَسْمَعُ لَا کَسَمْعِنَا، وَ نَحْنُ نَتَکَلَّمُ بِالْآلَاتِ وَ الْحُرُوْفِ وَ اللہُ تَعَالیٰ یَتَکَلَّمُ بِلَا آلَۃٍ وَ لَا حُرُوْفٍ، وَ الْحُرُوْفُ مَخْلُوْقَۃٌ ،وَ کَلَامُ اللہِ تَعَالیٰ غَیْرُ مَخْلُوْقٍ۔وَ ہُوَ شَیْئٌ لَا کَالْاَشْیَاءِ، وَ مَعْنَی الشَّیْئُ اَلثَّابِتُ بِلَا جِسْمٍ وَلَا جَوْہَرٍ وَ لَا عَرَضٍ، وَلَا حَدَّ لَہٗ وَلَا ضِدَّ لَہٗ وَلَا نِدَّ لَہٗ وَلَا مِثْلَ لَہٗ۔

ترجمہ:اور اللہ تعالیٰ کی تمام صفات مخلوقات کی صفات سے ممتاز و ممیز ہیں، وہ جانتا ہے لیکن ہمارے جاننے کی طرح نہیں، اور وہ قدرت رکھتا ہے لیکن ہماری قدرت کی طرح نہیں، اور وہ دیکھتا ہے لیکن ہمارے دیکھنے کی طرح نہیں ،اور وہ کلام فرماتا ہے لیکن ہمارے کلام کرنے کی طرح نہیں، اور وہ سنتا ہے لیکن ہمارے سننے کی طرح نہیں، اور ہم آلات (اعضاء و جوارح) اور حروف کی مدد سے کلام کرتے ہیں، اور

(جبکہ) اللہ تَعَالیٰ بغیر آلہ و حروف کے کلام فرماتا ہے، (کیونکہ) حروف مخلوق ہیں (جبکہ) اللہ تَعَالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے، اور اللہ تَعَالیٰ بھی ایک شے ہے، لیکن دیگر اشیاء کی طرح نہیں، اور شے کا معنی وہ ہستی ہے جو بغیر جسم، بغیر جوہر اور بغیر عرض کے ثابت (موجود) ہے، اور اس کی کوئی حد نہیں ہے، اور نہ اس کی ضد ہے، اور نہ ہی کوئی اس کے برابر ہے، اور نہ ہی کوئی اس کے جیسا ہے۔

سوال: حضرتِ موسی علیہ السلام کوہِ طور میں جو اللّٰہ تَعَالیٰ کا کلام سنا تھا کیا وہ بھی ازلی ہے؟

جواب: جی ہاں! حضرتِ موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور اور وادی طوی میں اللہ تَعَالیٰ کا جو کلام سنا تھا وہ وہی ازلی کلام تھا جو ذاتِ باری تَعَالیٰ کی طرح قدیم ہے، اور اللہ تَعَالیٰ ازل سے متکلم ہے حالانکہ وہ ابھی موسیٰ علیہ السلام سے کلام نہ فرمایا تھا، اور اللہ تَعَالیٰ اس وقت بھی خالق تھا جبکہ ابھی اس نے کسی چیز کو پیدا نہ فرمایا تھا، ہاں! ان صفات کا اظہار اور وقوع اس وقت ہوا جب اس نے کلام فرمایا، اور مخلوق کو پیدا فرمایا۔

سوال: کیا اللّٰہ تَعَالیٰ کی صفات مخلوقات کی صفات کی طرح ہیں؟

جواب: نہیں! اللہ تَعَالیٰ کی جملہ صفات اس کی مخلوقات میں موجود صفات سے بالکل جدا، ممتاز اور بلند و برتر ہیں۔

سوال: ہمارے اور اللّٰہ تَعَالیٰ کے علم میں کیا فرق ہے؟

جواب: اللہ تَعَالیٰ کا علم ہمارے علم کی طرح نہیں، کہ ہمارا علم گھٹتا بڑھتا ہے، ہمارا علم سیکھنے سے آتا ہے، جبکہ اللہ تَعَالیٰ کا علم گھٹتا بڑھتا نہیں، بلکہ ہمیشہ سے تھا اور ہمیشہ رہے گا۔ یوں ہی ہم اشیاء کا علم اپنے فہم کے مقدار آلات کے ذریعے حاصل کرتے ہیں، جبکہ اللہ تَعَالیٰ اشیاء کی حقائق کلی اور جزئی طور پر جانتا ہے، نیز اشیاء کے ظاہر و باطن کو بھی اپنے علمِ ذاتی، صمدی، ازلی، ابدی کے ذریعے جانتا ہے۔

(منح الروض الازہر ص ۵۴)

سوال: ہمارے اور اللہ تَعَالیٰ کے قدرت میں کیا فرق ہے؟

جواب: اللہ تَعَالیٰ کی قدرت قدیم ہے، کسی آلہ کے ذریعے نہیں، اور وہ ہر ممکن شے پر قادر ہے، حالانکہ ہم بعض چیزوں پر ہی قدرت رکھتے ہیں، اور وہ بھی آلات، اعوان و انصار کے محتاج ہوتے ہوئے۔

سوال: ہمارے اور اللہ تَعَالیٰ کے دیکھنے اور سننے میں کیا فرق ہے؟

جواب: اللہ تَعَالیٰ کا دیکھنا اور سننا ہمارے جیسا نہیں، کہ ہم اور دیگر حیوانات دیکھنے اور سننے جیسی صفات میں بے شمار مادی اشیاء، آلات اور اعضاء کے محتاج ہیں، مثلاً دیکھنے میں آنکھ اور روشنی کا، سننے میں کان کا، نیز ہماری ان صفات کا دائرۂ کار نہایت محدود ہے، کہ دیوار کے پیچھے کا نہیں دیکھ سکتے، جن و فرشتوں کی آوازیں نہیں سن سکتے، جبکہ اللہ تَعَالیٰ کی صفتِ رؤیت و سماعت نہ تو کسی آلات و اعضاء کی محتاج ہے، اور نہ مادی و غیر مادی اشیاء کی، اللہ تَعَالیٰ کی تمام صفات لا محدود اور قدیم ہیں۔

سوال: ہمارے اور اللہ تَعَالیٰ کے کلام کرنے میں کیا فرق ہے؟

جواب: اللہ تَعَالیٰ کلام فرماتا ہے، مگر ہمارے جیسا نہیں، کہ ہم کلام کرنے میں آلات یعنی حلق، زبان، ہونٹھ، دانت اور حروف کے محتاج ہیں، جبکہ اللہ تَعَالیٰ کا کلام ان تمام چیزوں سے پاک ہے۔

سوال: کیا حروف و آلات مخلوق ہیں؟

جواب: جی ہاں! حروف اور آلات یعنی حلق، زبان، ہونٹھ، دانت اور صوت یہ سب مخلوق ہیں، حالانکہ اللہ تَعَالیٰ کا کلام مخلوق نہیں، بلکہ قدیم بالذات ہے۔

سوال: کیا اللہ تَعَالیٰ ایک شے ہے؟ نیز کیا اللہ تَعَالیٰ کی کوئی حد بھی ہے؟

جواب: جی ہاں ! اللہ تعالیٰ بھی ایک شے ہے، یعنی اپنی ذات وصفات کے ساتھ موجود ہے، مگر اشیاءِ مخلوقہ کی ذات وصفات کی طرح نہیں، جیسے کہ پارہ ۲۵ سورۂ شوریٰ کی آیت نمبر ۱۱ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں فرمایا:

لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ۔ **ترجمۂ کنزالایمان:** اس جیسا کوئی نہیں۔

پس اللہ تعالیٰ بغیر جسم وجوہر وعرض کے موجود ہے، کیونکہ جسم مرکب ومتحیز ہوتا ہے، جو کہ حدوث کی علامت ہے، اور جوہر متحیز ہوتا ہے، اور عرض وہ ہے جو اپنے غیر کے ساتھ پایا جاتا ہو، اور اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے پاک ہے۔

اللہ تعالیٰ کی کوئی حد نہیں، اور نہ ہی کوئی انتہاء ہے، اور نہ ہی کوئی ضد (یعنی منازع وممانع) ہے، جو کہ اس سے جھگڑا کرے، اور نہ ہی کوئی اس کے برابر ہے، جو کہ خدائی میں شریک ہو سکے، اور نہ ہی کوئی اس کے مثل ہے۔

6: اَلْقَوْلُ فِی الصِّفَاتِ:

وَلَهٗ يَدٌ وَوَجْهٌ وَنَفْسٌ كَمَا ذَكَرَهُ اللّٰهُ تَعَالىٰ فِي الْقُرْآنِ ، فَمَا ذَكَرَهُ اللهُ تَعَالىٰ فِي الْقُرْآنِ مِنْ ذِكْرِ الْوَجْهِ وَ الْيَدِ وَ النَّفْسِ فَهُوَ لَهٗ صِفَاتٌ بِلَا كَيْفٍ وَلَا يُقَالُ اَنَّ يَدَهٗ قُدْرَتُهٗ اَوْ نِعْمَتُهٗ لِاَنَّ فِيْهِ اِبْطَالَ الصِّفَةِ. وَ هُوَ قَوْلُ اَهْلِ الْقَدَرِ وَ الْاِعْتِزَالِ. وَلٰكِنَّ يَدَهٗ صِفَتُهٗ بِلَا كَيْفٍ وَ غَضَبُهٗ وَ رِضَاهٗ صِفَتَانِ مِنْ صِفَاتِ اللهِ تَعَالىٰ بِلَا كَيْفٍ۔

ترجمہ: اللہ تَعَالیٰ کا ہاتھ ہے، اور چہرہ اور نفس ہے، جیسا کہ اللہ تَعَالیٰ نے قرآنِ پاک میں چہرہ، ہاتھ اور نفس کا ذکر فرمایا ہے، پس وہ اللہ تَعَالیٰ کی ایسی صفات ہیں جن کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں، اور نہیں کہا جائے گا (یہ کہنا درست نہیں ہے) کہ اس کے ہاتھ سے مراد اس کی قدرت ہے، یا اس کی نعمت ہے، اس لئے کہ اس میں اس صفت کا باطل ہونا لازم آئے گا، اور یہ قدریہ اور معتزلہ کا عقیدہ ہے، اور لیکن (درست عقیدہ یہ ہے کہ) اس کا ہاتھ اس کی وہ صفت ہے جس کی کیفیت ہم کو معلوم نہیں۔ اور اللہ تَعَالیٰ کا غضب اور اس کی رضا اس کی ان صفات میں سے دو ایسی صفتیں ہیں جن کی کیفیت ہم کو معلوم نہیں۔

سوال: "وَلَا يُقَالُ اَنَّ يَدَهٗ قُدْرَتُهٗ اَوْ نِعْمَتُهٗ" اس عبارت سے کیا بتانا چاہتے ہیں؟

جواب: اس عبارت میں امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے ید اللہ سے قدرت اور نعمت کا معنی مراد لینے سے منع فرمایا ہے، اور اس کو قدریہ و معتزلہ کا مذہب بتایا ہے، جبکہ بعد کے علمائے اہلِ سنت ید اللہ سے قدرت و نعمت مراد لیتے ہیں۔ پس اس طرح حنفیوں پر غیر کی طرف سے اعتراض ہوتا ہے کہ:

اعتراض: تم لوگوں نے امامِ اعظم کا عقیدہ چھوڑ کر قدریہ و معتزلہ کا عقیدہ اختیار کر لیا؟

جواب: اس اعتراض کے متعلق جواب یہ ہے کہ اہلِ سنت و جماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جن نصوص کے ظاہری الفاظ کسی ایسے معنی پر دلالت کر رہے ہوں جو خلافِ عقل ہوں تو ان نصوص کے ظاہری معنی مراد نہیں ہوں گے۔ پھر اس بارے میں دو طریقے ہیں:

(۱) سلف صالحین و تابعین یعنی متقدمین کا طریقہ: کہ ان نصوص کے علم کو اللہ تَعَالٰی کے سپرد کر دیں کہ اللہ تَعَالٰی کے یہاں جو بھی مراد ہو گی اس پر ہمارا ایمان ہے، جیسے ید اللہ، وجہ اللہ، الرحمٰن علی العرش استوی وغیرہ۔ پس ان چیزوں کی کیفیت و حقیقت ہمیں معلوم نہیں، مگر اتنی بات ثابت ہے کہ اللہ تَعَالٰی کا ہاتھ، چہرہ، نفس وغیرہ ہمارے جیسا نہیں، کیونکہ قرآن نے فرمایا: لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ۔ ترجمہ: اس جیسا کوئی نہیں۔ اور یہی طریقہ صحابہ و تابعین کا ہے۔

(۲) دوسرا طریقہ علمائے متأخرین کا ہے، چونکہ ان کے دور میں فتنوں نے سر اٹھایا، اور فرقہ مجسمہ و مشبہ نے لوگوں کو گمراہ کرنا شروع کیا اور آیات کے ظاہری معنی مراد لے کر کمزور مسلمانوں کے درمیان پھیلانا شروع کیا، تو اس وقت علمائے متأخرین نے ان آیات کی صحیح تاویلات کو ضروری سمجھا، تاکہ جاہل لوگوں کی تردید ہو سکے، اور کم علم والوں کو سیدھی راہ پر لایا جا سکے۔

اور آیاتِ متشابہات کے بارے میں صحیح تاویلات کرنے کی دلیل قرآن کے پارہ ۳ سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ے میں وارد یہ آیت ہے جس میں فرمایا گیا:

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔

ترجمۂ کنزالایمان: وہی ہے جس نے تم پر یہ کتاب اتاری اس کی کچھ آیتیں صاف معنیٰ رکھتی ہیں وہ کتاب کی اصل ہیں اور دوسری وہ ہیں جن کے معنی میں اشتباہ ہے وہ جن کے دلوں میں کجی ہے، وہ اشتباہ والی کے پیچھے پڑتے ہیں گمراہی چاہنے، اور اس کا پہلو ڈھونڈھنے کو اور اس کا ٹھیک پہلو اللہ ہی کو معلوم ہے، اور پختہ علم والے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے، سب ہمارے رب کے پاس سے ہے، اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے۔

اس آیتِ پاک کی تفسیر میں حضرت نعیم الدین مرادآبادی لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے آپ فرماتے تھے کہ میں راسخین فی العلم سے ہوں اور مجاہد سے مروی ہے کہ میں ان میں سے ہوں جو متشابہ کی تاویل جانتے ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ راسخ فی العلم وہ عالم باعمل ہے جو اپنے علم کا متبع ہو اور ایک قول مفسرین کا یہ ہے کہ راسخ فی العلم وہ ہیں جن میں چار صفتیں ہوں۔ تقویٰ اللہ کا، تواضع لوگوں سے، زُہد دنیا سے، مجاہدہ نفس کے ساتھ۔

لہٰذا ان وجوہات کی بناء پر ید اللہ کی تاویل قدرت و نعمت سے کرنا امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے عقیدے سے انحراف نہیں بلکہ یہ انہیں کا مذہب ہے۔ پس متقدمین کے مذہب کے اعتبار سے ید، وجہ اور نفس ایسی صفات ہیں جن کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں، یوں ہی غضب و رضا ایسی صفت ہیں جن کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں۔ (منح الروض الازہر ص ۱۳۵)

7: اَلْقَوْلُ فِی الْقَدَرِ:

خَلَقَ اللہُ تَعَالیٰ الْاَشْیَاءَ لَا مِنْ شَیْءٍ، وَ کَانَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَالِماً فِی الْاَزَلِ بِالْاَشْیَاءِ قَبْلَ کَوْنِہٖ، وَ ہُوَ الَّذِی قَدَّرَ الْاَشْیَاءَ وَ قَضَاہَا. وَ لَا یَکُوْنُ فِی الدُّنْیَا وَلَا فِی الْآخِرَۃِ شَیْءٌ اِلّا بِمَشِیْئَتِہٖ وَ عِلْمِہٖ وَ قَضَائِہٖ وَ قَدَرِہٖ وَ کَتَبِہٖ فِی اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ وَلٰکِنَّ کَتَبَہٗ بِالْوَصْفِ لَا بِالْحُکْمِ۔

ترجمہ: اللہ تَعَالیٰ نے اشیاء کو پیدا فرمایا، حالانکہ وہ نہ تھیں (عدم سے وجود میں لایا) اور ان اشیاء کے وجود میں آنے سے پہلے اللہ تَعَالیٰ ازل سے ان کے بارے میں جاننے والا تھا، اسی نے ان اشیاء کو مقدر فرمایا، اور ان کے بارے میں فیصلہ فرمایا، دنیا اور آخرت میں اس کی مرضی و مشیئت، اس کے علم و قضا و قدر اور لوحِ محفوظ میں اس کے تحریر کرنے سے ہی ہوتی ہے، لیکن لوحِ محفوظ میں اس کا لکھنا باعتبارِ وصف کے ہے نہ کہ حکم کے اعتبار سے۔

سوال: ”خَلَقَ اللّٰہُ تَعَالیٰ الْاَشْیَاءَ لَا مِنْ شَیْءٍ“ اس عبارت سے کیا بتانا چاہتے ہیں؟

جواب: اس عبارت سے امامِ اعظم رضی اللہ عنہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ: اللہ تَعَالیٰ نے اشیاء کو پیدا فرمایا، چاہے وہ ذوات ہوں یا حالات جیسے سکون و حرکات، انوار و ظلمات، شرور و خیرات، علویات و سفلیات۔ اور یہ پیدا کرنا مادۂ سابقہ کے بغیر ہے جیسے کہ اللہ تَعَالیٰ سورۂ انعام کی آیت نمبر ۱۴ میں ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ اَغَیْرَ اللّٰہِ اَتَّخِذُ وَلِیًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ ھُوَ یُطْعِمُ وَ لَا یُطْعَمُ قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَ لَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔

ترجمہ کنزالایمان: تم فرماؤ کیا اللہ کے سوا کسی اور کو والی بناؤں، وہ اللہ جس نے آسمان وزمین پیدا کئے اور وہ کھلاتا ہے اور کھانے سے پاک ہے تم فرماؤ مجھے حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے گردن رکھوں، اور ہر گز شرک والوں میں نہ ہونا۔

سوال: کیا اللہ تَعَالیٰ اشیاء کو ان کی پیدائش سے پہلے جانتا تھا؟

جواب: جی ہاں! اللہ تَعَالیٰ ان اشیاء کو ان کی پیدائش سے قبل ہمیشہ سے جاننے والا ہے، جیسے کہ سورۂ فتح کی آیت نمبر ۲۶ میں فرمانِ باری تَعَالیٰ ہے:

وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا۔ **ترجمہ کنزالایمان:** اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

سوال: کیا لوحِ محفوظ میں ہر چیز لکھی ہوئی ہے؟

جواب: جی ہاں! دنیا و آخرت میں جو بھی چیز ہے یا ہو گی یا ہوئی اللہ تَعَالیٰ نے ہر چیز کو لوحِ محفوظ میں لکھ دیا، لہذا جو بھی ہو گی وہ اللہ تَعَالیٰ کی مشیئت، علم، قضاوقدر سے ہی ہو گی۔

سوال: "وَلٰكِنَّ كَتْبَهٗ بِالْوَصْفِ لَا بِالْحُكْمِ" اس عبارت کی وضاحت کریں؟

جواب: اس عبارت کی وضاحت یہ ہے کہ اللہ تَعَالیٰ نے ہر چیز کو لوحِ محفوظ میں وصف کے اعتبار سے لکھا ہے نہ کہ حکم کے اعتبار سے، اور وصف سے مراد یہ ہے کہ یہ چیزیں عنقریب ایسے ایسے ہوں گی، حکم نہیں دیا کہ یہ چیزیں ایسی ایسی ہو جائیں، پس اگر حکم کے اعتبار سے ہوتا تو وہ ساری چیزیں اسی وقت موجود ہو جاتیں، کیونکہ جب اللہ تَعَالیٰ فرماتا ہے: کن (ہو جا) تو چیزیں فیکون (یعنی ہونے لگتی ہیں) اور ہوتی رہتی ہیں۔

وَ الْقَضَاءُ وَ الْقَدَرُ وَ الْمَشِيْئَةُ صِفَاتُهٗ فِي الْاَ زَلِ بِلَا كَيْفٍ. يَعْلَمُ اللهُ تَعَالىٰ الْمَعْدُوْمَ فِي حَالِ عَدَمِهٖ مَعْدُوْماً وَ يَعْلَمُ اَنَّهٗ كَيْفَ يَكُوْنُ اِذَا اَوْجَدَهٗ يَعْلَمُ اللهُ الْمَوْجُوْدَ فِي حَالِ وُجُوْدِهٖ مَوْجُوْداً ، وَ يَعْلَمُ اَنَّهٗ كَيْفَ يَكُوْنُ فَنَاؤُهٗ۔ وَ يَعْلَمُ اللهُ الْقَائِمَ فِي حَالِ قِيَامِهٖ قَائِماً ، وَ اِذَا قَعَدَ فَقَدْ عَلِمَهٗ قَاعِداً فِي حَالِ قُعُوْدِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّتَغَيَّرَ عِلْمُهٗ اَوْ يَحْدُثَ لَهٗ عِلْمٌ وَ لٰكِنَّ التَّغَيُّرَ وَ اِخْتِلَافَ الْاَحْوَالِ يَحْدُثُ فِي الْمَخْلُوْقِيْنَ۔

ترجمہ: قضاو قدر اور مشیئت اللہ تَعَالیٰ کی وہ ازلی صفات ہیں جن کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں، اللہ تَعَالیٰ معدوم شے کو اس وقت بھی جانتا ہے جب وہ ابھی سرے سے وجود ہی میں نہیں آئی تھی، یہ بھی جانتا ہے کہ وہ شے معدوم کو جب وجود میں لائے گا تو وہ کیسے ہوگی، اور اللہ تَعَالیٰ موجود شے کی موجودگی کو حالتِ وجود میں جانتا ہے، اور یہ بھی جانتا ہے کہ شے موجود کس طرح فنا ہوگی، اور اللہ تَعَالیٰ کھڑی شے کی حالتِ قیام کو بوقتِ قیام بھی جانتا ہے، اور جب وہ بیٹھتی ہے تو اس وقت اس کی اس حالتِ قعود کو بھی جانتا ہے، بغیر اس کے کہ (اس سے) اللہ تَعَالیٰ کا علم متغیر ہو یا (اس سے) اللہ تَعَالیٰ کا علم فنا ہو، اور تغیر و اختلافِ احوال مخلوقات میں رونما ہوتا ہے۔ (مخلوقات کی صفت ہے)۔

سوال: قضا، قدر اور مشیئت کا معنی کیا ہے؟

جواب: قضا کا معنی فیصلہ کرنا، اور قدر کا معنی اندازہ کرنا، اور مشیئت کا معنی ارادہ کرنا ہے۔ یہ تینوں صفات اللہ تَعَالیٰ کی ازلی یعنی ہمیشہ سے ہیں، اور قدیم ہیں، لیکن ان کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں۔

سوال: "وَ الْقَضَاءُ وَ الْقَدَرُ وَ الْمَشِيْئَةُ صِفَاتُهٗ فِى الْاَ زَلِ بِلَا كَيْفٍ" سے کسی کا رد کرنا مقصود ہے؟

جواب: اس عبارت سے معتزلہ کا رد کرنا مقصود ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں: ہر چیز اللہ تعَالیٰ کے فیصلے سے نہیں، ورنہ تو بندہ کا کفر بھی اللہ تعَالیٰ کے فیصلے سے ہو گا، اور اللہ تعَالیٰ اپنے قضا (فیصلے) سے راضی ہوتا ہے، لہذا کفر سے بھی راضی ہو گا، حالانکہ ایسا نہیں۔

معتزلہ کا یہ قول باطل ہے کہ فیصلے سے ہونا الگ بات ہے اور راضی ہونا اور بات ہے۔

سوال: کیا اللّٰہ تعَالیٰ معدوم شے کو بحالتِ معدوم جانتا ہے؟

جواب: جی ہاں! اللہ تعَالیٰ معدوم شے کو بحالتِ معدوم جانتا ہے، اور جب وہ وجود میں آئے گی تو کیسے آئے گی وہ بھی جانتا ہے، نیز موجود شے کو بحالتِ موجود اور کیسے فنا ہو گی وہ بھی جانتا ہے، ایسے ہی قائم و قاعد کو ان دونوں کی موجودہ حالت اور اس کے بعد جو حالت ہو گی اس سے بھی واقف ہے، اور تمام چیزوں کی حالت کے بدلنے سے اللہ تعَالیٰ کا علم نہیں بدلتا، اور نہ ہی اس کا علم اس چیز کی حالت کے بعد پیدا ہوا۔

ہاں! تغیر و تبدل اور اختلافِ احوال کا واقع ہونا وہ مخلوقات کے ساتھ خاص ہے نہ کہ خالق کے ساتھ۔

سوال: کیا زمین گھومتی ہے؟

جواب: دیوبندیوں نے جو فقہِ اکبر کی شرح لکھی ہے اس میں انہوں نے اس جگہ یہ لکھا ہے کہ: زمین گھومتی ہے۔ حالانکہ یہ عقیدہ رکھنا کفر ہے۔ خیال رہے کہ اسلامی تعلیم کے اعتبار سے نہ زمین گھومتی ہے نہ آسمان بلکہ چاند، سورج اور تارے آسمان پر تیر رہے ہیں جیسے سمندر میں کشتیاں، جیسے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ الَّیۡلَ وَ النَّهَارَ وَ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ كُلٌّ فِیۡ فَلَكٍ یَّسۡبَحُوۡنَ۔

ترجمہ کنز الایمان: اور وہی ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا کیا۔ سب ایک گھیرے میں تیر رہے ہیں۔

زمین کے گردش نہ کرنے پر اعلی حضرت رضی اللہ عنہ نے ایک رسالہ بنام ''نزول اٰیاتِ فرقان بسکونِ زمین واٰسمان'' یعنی زمین اور آسمان کے ساکن ہونے کے بارے میں حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی (قرآن مجید کی) آیتوں کا نازل ہونا) تحریر فرمایا ہے جو کہ فتاوی رضویہ کی جلد نمبر ۲۷ میں موجود ہے۔

طمانچہ مارنے والے کو انوکھا انعام

چُنانچِہ ایک بار کسی حاسد نے کروڑوں مسلمانوں کے بے تاج بادشاہ اور امام و پیشوا سیِّدُنا امامِ اعظم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم کو معاذاللہ **زوردار طمانچہ** رسید کر دیا، اس پر **صَبْرو تَحَمُّل کے پیکر امام اعظم** عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم نے انتہائی عاجِزی کے ساتھ فرمایا: ''بھائی جان! میں بھی آپ کو طمانچہ مار سکتا ہوں مگر نہیں ماروں گا، عدالت میں آپ کے خلاف دعویٰ دائر کر سکتا ہوں مگر نہیں کروں گا، اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہِ بے کس پناہ میں آپ کے ظلم کی فریاد کر سکتا ہوں لیکن نہیں کرتا اور بروزِ قیامت اِس ظلم کا بدلہ حاصل کر سکتا ہوں مگر یہ بھی نہیں کروں گا، اگر بروزِ قیامت اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مجھ پر خُصُوصی کرم فرمایا اور میری سِفارش آپ کے حق میں قَبول کر لی تو میں آپ کے بِغیر جنَّت میں قدم نہ رکھوں گا۔'' (اشکوں کی برسات ص ۲۳)

8: مَا فَطَرَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ النَّاسَ:

خَلَقَ الْخَلْقَ سَلِيْماً مِنَ الْكُفْرِ وَ الْاِيْمَانِ، ثُمَّ خَاطَبَهُمْ وَ اَمَرَهُمْ وَ نَهَاهُمْ. فَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ بِفِعْلِهٖ وَ اِنْكَارِهٖ وَجُحُوْدِهِ الْحَقَّ بِخِذْلَانِ اللهِ تَعَالیٰ اِيَّاهُ. وَ آمَنَ مَنْ آمَنَ بِفِعْلِهٖ وَ اِقْرَارِهٖ وَتَصْدِيْقِهٖ بِتَوْفِيْقِ اللهِ تَعَالیٰ اِيَّاهُ وَ نُصْرَتُهُ لَهٗ۔

ترجمہ: اللہ تَعَالیٰ نے مخلوقات کو کفر اور ایمان سے عاری (خالی) پیدا فرمایا ہے، پھر مخلوقات سے خطاب فرمایا اور انہیں (بعض باتوں کا) حکم دیا اور (بعض باتوں سے) منع فرمایا، پس جس نے کفر کیا اس نے اپنے فعل سے کفر کیا، اور بندے کا حق تَعَالیٰ کا انکار کرنا اور بندہ کا حق تَعَالیٰ کو جھٹلانا، اللہ تَعَالیٰ کے اس کو چھوڑ دینے کی وجہ سے ہے، اور جو ایمان لایا اس نے اپنے فعل اور اپنے اقرار اور اپنی تصدیق (اپنی مرضی و اختیار) کے ذریعہ اللہ تَعَالیٰ کی توفیق اور مدد سے ایمان لایا۔

سوال: کیا اللّٰہ تَعَالیٰ نے مخلوقات کو کفر و ایمان کے وصف کے ساتھ پیدا فرمایا ہے؟

جواب: نہیں! اللہ تَعَالیٰ نے مخلوقات کو کفر و ایمان کے آثار سے خالی پیدا فرمایا ہے، ہاں! اتنی بات ضرور ہے کہ ان میں دونوں چیزوں کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا فرمائی ہے، اسی لئے ان سے عصیان و احسان دونوں واقع ہوتے ہیں۔

سوال: "ثُمَّ خَاطَبَہُمْ وَاَمَرَہُمْ وَنَہَاهُمْ" اس سے کیا بتانا چاہتے ہیں؟

جواب: اس عبارت سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو کفر و ایمان سے عاری پیدا فرما کر بندوں کو مکلف بنانے کے وقت اربابِ رسالت و اصحابِ سعادت (انبیاء ورسل) کی زبان سے ایمان و طاعت کا حکم ارشاد فرمایا اور کفر و معصیت سے منع فرمایا۔

سوال: دنیا میں آکر جو کفر کرتا ہے وہ کس وجہ سے کرتا ہے؟

جواب: جس نے دنیا میں آکر کفر کیا، اس نے اپنے اختیار سے، جہالت و اصرار کے سبب کفر کیا، اور عناد و تکبر کے سبب جھٹلایا، اور یہ ساری چیزیں اللہ تعالیٰ کے اپنی مدد و توفیق چھین لینے کی وجہ سے ہوا ہے، ورنہ اس کی کیا مجال کہ یہ رب تعالیٰ کو جھٹلائے، صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی توجہ اس سے پھیر لی، اور یہ اللہ تعالیٰ کا عدل ہے نہ کہ ظلم، کہ اللہ تعالیٰ پارہ ۱۱ سورۂ یونس کی آیت نمبر ۴۴ میں ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّ لٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۔

ترجمہ کنز الایمان: بے شک اللہ لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا، ہاں لوگ ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

سوال: دنیا میں آکر جو ایمان لاتا ہے وہ کس وجہ سے لاتا ہے؟

جواب: جو شخص دنیا میں ایمان کو اختیار کرتا ہے وہ فرمانبرداری کرتے ہوئے اپنے دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کرکے اللہ کی مدد و توفیق سے ایمان لاتا ہے۔

اَخۡرَجَ ذُرِّيَّةَ آدَمَ عَلَيۡهِ السَّلَامُ مِنۡ صُلۡبِهٖ عَلٰى صُوَرِ الذَّرِّ فَجَعَلَ لَهُمۡ عَقۡلاً ۔ فَخَاطَبَهُمۡ وَ اَمَرَهُمۡ بِالۡاِيۡمَانِ وَ نَهَاهُمۡ عَنِ الۡكُفۡرِ فَاَقَرُّوۡا لَهٗ بِالرُّبُوۡبِيَّةِ ۔ فَكَانَ ذَالِكَ مِنۡهُمۡ اِيۡمَاناً ۔ فَهُمۡ يُوۡلَدُوۡنَ عَلٰى ذَالِكَ الۡفِطۡرَةِ ۔ وَ مَنۡ كَفَرَ بَعۡدَ ذَالِكَ فَقَدۡ بَدَّلَ وَ غَيَّرَ ۔ وَ مَنۡ آمَنَ وَ صَدَّقَ فَقَدۡ ثَبَتَ عَلَيۡهِ وَ دَامَ ۔

ترجمہ: اللہ تَعَالیٰ نے حضرتِ آدم علیہ السلام کی اولاد کو ان کی پشت سے چیونٹیوں کی شکل میں نکالا، اور انہیں عقل عطا فرمائی، پس ان سے خطاب فرمایا، اور انہیں ایمان لانے کا حکم دیا، اور کفر سے منع فرمایا، (جس پر) انہوں نے اللہ تَعَالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا، اور (اس طرح) وہ ایمان لے آئے، پس وہ (دنیا میں) اسی دینِ فطرت پر پیدا ہوتے ہیں، اور جو اس کے بعد (عالمِ ارواح میں اقرار کرنے کے بعد دنیا میں) کفر کیا تو اس نے (دراصل اپنی فطرت کو) بدل دیا اور متغیر کر دیا (یعنی ایمان کو کفر سے بدل دیا) اور جو شخص ایمان لایا اور (حق کی) تصدیق کی وہ (گویا اسی دینِ) فطرت پر ثابت قدم رہا، اور مداومت اختیار کی۔

سوال: "اَخۡرَجَ ذُرِّيَّةَ آدَمَ عَلَيۡهِ السَّلَامُ مِنۡ صُلۡبِهٖ عَلٰى صُوَرِ الذَّرِّ" سے کیا بتانا چاہتے ہیں؟

جواب: اس عبارت سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اللہ تَعَالیٰ نے حضرتِ آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے بعد ان کی پشت مبارک سے قیامت تک پیدا ہونے والی اولاد کو چھوٹی چیونٹی کی شکل میں ان کے دائیں بائیں بکھیر دیا، جن میں بعض سفید اور بعض سیاہ تھے، پھر اللہ تَعَالیٰ نے ان کو عقل عطا کر کے فرمایا "اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ" (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) تو انہوں نے اللہ تَعَالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کرتے ہوئے کہا "بَلٰی" (کیوں نہیں) یہ مضمون پارہ ۹ سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۱۷۲ میں موجود ہے۔

سوال: اللہ تَعَالیٰ نے اولادِ آدم کو کن چیزوں کا حکم فرمایا اور کن چیزوں سے منع فرمایا؟

جواب: اللہ تَعَالٰی نے اولادِ آدم کو ایمان و احسان کا حکم ارشاد فرمایا، اور کفر و شرک سے منع فرمایا، لہٰذا ان سب نے عالمِ ارواح میں اپنے رب کی ربوبیت کا اقرار کیا، پس اب جو بھی انسان دنیا میں پیدا ہوتا ہے وہ اسی فطرت پر پیدا ہوتا ہے، جیسے کہ پارہ ۲۱ سورۂ روم کی آیت نمبر ۳۰ میں فرمانِ باری تَعَالٰی ہے:

فَاَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ حَنِيۡفًا ‌ؕ فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِىۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيۡهَا‌ ؕ لَا تَبۡدِيۡلَ لِخَـلۡقِ اللّٰهِ‌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُ ۙ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ۔

ترجمۂ کنز الایمان: تو اپنا منہ سیدھا کرو اللہ کی اطاعت کے لیے ایک اکیلے اسی کے ہو کر اللہ کی ڈالی ہوئی بِنا جس پر لوگوں کو پیدا کیا اللہ کی بنائی چیز نہ بدلنا یہی سیدھا دین ہے مگر بہت لوگ نہیں جانتے۔

(منح الروض الازہر ص ۸۱)

اس آیت کے تحت صدر الافاضل حضرت نعیم الدین مرادآبادی خزائن العرفان میں لکھتے ہیں: "فطرت سے مراد دینِ اسلام ہے معنٰی یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے خَلق کو ایمان پر پیدا کیا جیسا کہ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ ہر بچّہ فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے یعنی اسی عہد پر جو "اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ" فرما کر لیا گیا ہے۔ بخاری شریف کی حدیث میں ہے "پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں"۔ اس آیت میں حکم دیا گیا کہ دینِ الٰہی پر قائم رہو جس پر اللہ تعالٰی نے خَلق کو پیدا کیا ہے۔

سوال: "وَمَنۡ کَفَرَ بَعۡدَ ذَالِکَ فَقَدۡ بَدَّلَ وَ غَیَّرَ، وَمَنۡ آمَنَ وَصَدَّقَ فَقَدۡ ثَبَتَ عَلَیۡهِ وَدَامَ" اس عبارت کی وضاحت فرمادیں۔

جواب: اس عبارت کی وضاحت یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں آکر اس عہد و ایمان کے بعد کفر کرتا ہے تو وہ اپنے ایمانِ فطری، وہبی کو کفرِ طاری، کسبی سے بدل دیتا ہے۔ اور کفر کی تاریکیوں میں جا پڑتا ہے۔

اور جو اس دنیا میں آکر اپنے ایمان کو ظاہر کرتا اور اقرارِ لسانی و تصدیقِ قلبی کے ذریعہ تصدیق کرتا ہے تو وہ اپنے اسی ایمانِ فطری، وہی پر ثابت قدم رہا اور اسلام پر قائم و برقرار رہا۔

دشمن کے لئے دعا

میٹھے میٹھے اسلامی بھائیو! ہمارے امامِ اعظم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْاَکْرَم کے ساتھ کوئی کتنی ہی بُرائی کرتا، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی خیر خواہی ہی فرماتے۔ چُنانچِہ ایک بار کسی حاسِد نے امامِ اعظم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْاَکْرَم کو سخت بُرا بھلا کہا، گندی گالیاں بھی دیں اور گمراہ بلکہ مَعاذَاللہ عزوجل زِندیق (یعنی بے دین) تک کہہ دیا۔ امامِ اعظم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْاَکْرَم نے جواب میں ارشاد فرمایا: "**اللہ عَزَّوَجَلَّ** آپ کو مُعاف فرمائے، **اللہ عَزَّوَجَلَّ** جانتا ہے کہ آپ جو کچھ میرے بارے میں کہہ رہے ہیں میں ایسا نہیں ہوں۔ "اِتنا فرمانے کے بعد آپ کا دل بھر آیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور فرمانے لگے: "میں **اللہ عَزَّوَجَلَّ** سے اُمّید کرتا ہوں کہ وہ مجھے مُعافی عطا فرمائے گا، آہ! مجھے عذاب کا خوف رُلاتا ہے۔ "عذاب کا تصوُّر آتے ہی گریہ (یعنی رونا) بڑھ گیا اور روتے روتے بے ہوش ہو کر زمین پر تشریف لے آئے۔ جب ہوش آیا تو دعا مانگی: "یااللہ عزوجل! جس نے میری بُرائی بیان کی اس کو مُعاف فرمادے۔ "وہ شخص آپ کے یہ **اَخلاقِ کریمہ** دیکھ کر بَہُت مُتَأَثِّر ہوا اور مُعافی مانگنے لگا، فرمایا: جس نے لاعلمی کے سبب میرے بارے میں کچھ کہا اُس کو مُعاف ہے، ہاں جو اہلِ علم ہونے کے باوُجُود جان بوجھ کر میری طرف غَلَط عَیب منسوب کرتا ہے وہ قُصُوروار ہے۔ کیوں کہ **عُلَماء کی غیبت** کرنا ان کے بعد بھی باقی رَہتا ہے۔

(اَلْخَیْرٰتُ الْحِسان ص ۵۵)

وَ لَمۡ یُجۡبِرۡ اَحداً مِنۡ خَلۡقِہٖ عَلَی الۡکُفۡرِ وَ عَلَی الۡاِیۡمَانِ. وَ لَا خَلَقَھُمۡ مُؤمِناً وَلَا کَافِراً. وَ لٰکِنۡ خَلَقَھُمۡ اَشۡخَاصاً. وَ الۡاِیۡمَانُ وَ الۡکُفۡرُ فِعۡلُ الۡعِبَادِ. یَعۡلَمُ اللہُ تَعَالیٰ مَنۡ یَّکۡفُرُ فِیۡ حَالِ کُفۡرِہٖ کَافِراً. فَاِذَا آمَنَ بَعۡدَ ذَالِکَ عَلِمَہٗ مُؤمِناً فِیۡ حَالِ اِیۡمَانِہٖ مِنۡ غَیۡرِ اَنۡ یَّتَغَیَّرَ عِلۡمُہٗ وَ صِفَتُہٗ. وَ جَمِیۡعُ اَفۡعَالِ الۡعِبَادِ مِنَ الۡحَرَکَۃِ وَ السُّکُوۡنِ کَسۡبُھُمۡ عَلَی الۡحَقِیۡقَۃِ. وَ اللہُ تَعَالیٰ خَالِقُھَا وَ ہِیَ کُلُّھَا بِمَشِیۡئَتِہٖ وَ عِلۡمِہٖ وَ قَضَائِہٖ وَ قُدۡرَتِہٖ۔

ترجمہ: اللہ تعَالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے نہ تو کسی کو کفر کرنے پر مجبور کیا، اور نہ ہی ایمان لانے پر مجبور کیا، (اسی طرح) نہ تو اس نے انہیں مؤمن پیدا کیا اور نہ ہی کافر پیدا کیا، لیکن انہیں شناخت کے طور پر پیدا کیا، اور ایمان و کفر بندوں کا (اپنا اختیاری) فعل ہے، اور اللہ تعَالیٰ اس شخص کو کافر جانتا ہے جو اپنے کفر کی حالت میں کفر کرتا ہے، اور جب وہ کفر کے بعد ایمان لاتا ہے تو اللہ تعَالیٰ اس کو اس کے ایمان کی حالت میں مؤمن جانتا ہے، (اور یہ ساری چیزیں) اللہ تعَالیٰ کے علم اور اس کی صفت کے متغیر ہوئے بغیر (ہوتی ہیں)۔ اور حرکت و سکون میں سے بندوں کے تمام افعال حقیقتاً انہیں کا کسب (کیا ہوا) ہے، اور اللہ تعَالیٰ افعال کا خالق ہے، اور تمام کے تمام افعال اللہ تعَالیٰ کی مشیئت، اس کے علم، اور اس کی قضا و قدر سے ہوتے ہیں۔

سوال: کیا اللہ تعَالیٰ نے کفر و ایمان اختیار کرنے پر مجبور کیا ہے؟

جواب: نہیں! ہر گز نہیں، اللہ تعَالیٰ نے اپنے مخلوق میں سے نہ تو کسی کو کفر کرنے پر مجبور کیا اور نہ ہی ایمان لانے پر، یعنی اللہ تعَالیٰ نے طاعت و معصیت کو بطریقِ جبر و غلبہ بندے کے دل میں پیدا نہیں فرمایا، بلکہ بندے کے اختیار و کسب کے ساتھ ملا کر پیدا فرمایا، چاہے تو ایمان لائے، چاہے تو کفر کرے۔

سوال: ”لٰکِنۡ خَلَقَہُمۡ اَشۡخَاصاً“ کی وضاحت کریں۔

جواب: اس عبارت کی وضاحت یہ ہے کہ: اللہ تَعَالیٰ نے بندوں کو اس طور پر پیدا فرمایا کہ وہ خالص ایمان کو قبول کرنے اور کفر کو اختیار کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

پس بندوں کو اختیار دئے جانے کی وجہ سے یہ دونوں انہیں کے ہی فعل ہیں جیسے کہ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

سوال: کیا اللہ تَعَالیٰ کو بندوں کے کفر و ایمان کا علم ہوتا ہے؟

جواب: جی ہاں! جب بندہ دنیا میں آکر کفر کو اختیار کرتا ہے تو اللہ تَعَالیٰ اسے کافر جانتا ہے، اور اسے ناپسند فرماتا ہے، اور جب وہ کفر کو چھوڑ کر ایمان لاتا ہے تو اللہ تَعَالیٰ اسے مؤمن جانتا ہے، اور اسے پسند فرماتا ہے، اب بندے کے کفر و ایمان کے متغیر ہونے کی وجہ سے اللہ تَعَالیٰ کا علم متغیر نہیں ہوتا، بلکہ اللہ تَعَالیٰ کو ازل سے اس بات کا علم تھا کہ یہ بندہ دنیا میں کیا کیا کرے گا۔

سوال: بندوں کے افعال کا کاسب و خالق کون ہے؟

جواب: بندوں کے تمام افعال چاہے وہ کفر و ایمان ہو یا طاعت و عصیان، یا عادی افعال ہوں جیسے چلنا، پھرنا، کھانا، پینا، سونا، جاگنا وغیرہ، پس ان افعال کی نسبت اگر خود ان کے کرنے والوں کی طرف کی جائے تو ان افعال کے کاسب وہ خود ہیں، کیونکہ یہ افعال انہوں نے اپنے ارادے، قدرت و اختیار سے کئے ہیں، لیکن جب ان افعال و اعمال کو اللہ تَعَالیٰ کی قدرت، ارادے، قضا و قدر کے حوالے سے دیکھا جائے تو ان افعال کا خالق اللہ تَعَالیٰ ہے، کیونکہ یہ تمام افعال و اعمال اللہ تَعَالیٰ کی مشیئت و علم، قضا و قدر سے ہی سر انجام پاتے ہیں، کہ بے اس کے ارادے پتا بھی نہیں ہل سکتا۔

اور امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اس عبارت ''وَ جَمِيْعُ اَفْعَالِ الْعِبَادِ مِنَ الْحَرَكَةِ وَ السُّكُوْنِ كَسْبُهُمْ عَلَى الْحَقِيْقَةِ'' سے معتزلہ کا رد فرمایا ہے کہ وہ بندوں کو ہی افعال و اعمال کا خالق مانتے ہیں، جو کہ باطلِ محض ہے، جیسے کہ اللہ تعالٰی نے پارہ ۲۴ سورۂ زمر کی آیت نمبر ۶۲ میں ارشاد فرمایا:

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ وَّ هُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ۔ **ترجمۂ کنز الایمان:** اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز کا مختار ہے۔

(منح الروض الازہر ص ۸۷)

صَلُّوا عَلَى الْحَبِيْب!
صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى مُحَمَّد
صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

۹: اَلطَّاعَاتُ مَحْبُوْبَۃٌ لِلّٰہِ وَ الْمَعَاصِی مَقْدُوْرَۃٌ غَیْرُ مَحْبُوْبَۃٍ:

وَالطَّاعَاتُ کُلُّھَا مَا کَانَتْ وَاجِبَۃً بِأَمْرِ اللہِ تَعَالیٰ وَ بِمَحَبَّتِہٖ وَ بِرِضَائِہٖ وَ عِلْمِہٖ وَ مَشِیْئَتِہٖ وَ قَضَائِہٖ وَ تَقْدِیْرِہٖ ، وَ الْمَعَاصِی کُلُّھَا بِعِلْمِہٖ وَ قَضَائِہٖ وَ تَقْدِیْرِہٖ وَ مَشِیْئَتِہٖ لَا بِمَحَبَّتِہٖ وَ لَا بِرِضَائِہٖ وَ لَا بِأَمْرِہٖ۔

ترجمہ: اور تمام اطاعت و فرماں برداری والے کام جو واجب و ثابت ہیں وہ اللہ تَعَالیٰ کے حکم، اس کی پسندیدگی اور اس کی رضا و علم و مشیئت، اس کے فیصلہ و تقدیر سے ہوتے ہیں، اور تمام گناہ والے کام اللہ تَعَالیٰ کے علم، قضا و قدر اور مشیئت سے تو ہوتے ہیں (مگر ان کے ساتھ) اللہ تَعَالیٰ کی پسندیدگی، رضا اور حکم نہیں ہوتا۔

سوال: کیا تمام طاعات اللّٰہ تَعَالیٰ کے حکم و رضا سے ہوتے ہیں؟

جواب: جی ہاں! طاعات اپنے تمام تر اجناس کے ساتھ چاہے وہ واجبات میں سے ہوں یا مستحبات میں سے، قلیل ہوں یا کثیر، جو بھی ثابت و منقول و مفروض ہیں سب کے سب اللہ تَعَالیٰ کے حکم سے ہیں، جیسے کہ اللہ تَعَالیٰ نے پارہ ۷ سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۹۲ میں ارشاد فرمایا:

وَ اَطِیْعُوا اللہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ۔ **ترجمۂ کنزالایمان:** اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا۔

اور طاعات اللہ تَعَالیٰ کی پسندیدگی سے ہیں، جیسے کہ اللہ تَعَالیٰ نے پارہ ۳ سورۂ آلِ عمران کی آیت نمبر ۷۶ میں ارشاد فرمایا:

بَلٰی مَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ وَ اتَّقٰی فَاِنَّ اللہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ۔

ترجمۂ کنزالایمان: ہاں کیوں نہیں جس نے اپنا عہد پورا کیا اور پرہیز گاری کی اور بے شک پرہیز گار اللہ کو خوش آتے ہیں۔

اور اس کی رضامندی سے ہیں، جیسے کہ اللہ تَعَالٰی نے پارہ ۳۰ سورۂ بینہ کی آیت نمبر ۸ میں ارشاد فرمایا:

رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ۔ **ترجمۂ کنزالایمان:** اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی۔

اور اللہ تَعَالٰی کے ارادے سے ہیں اور اس کے حکم اور اس کے لوحِ محفوظ میں لکھ دینے سے ہیں۔

سوال: کیا گناہ بھی اللہ تَعَالٰی کے حکم ورضا سے ہوتے ہیں؟

جواب: نہیں! بلکہ گناہ اپنے تمام تر اجناس کے ساتھ چاہے حرام ہوں یا مکروہ، صغیرہ ہوں یا کبیرہ، جو بھی ہیں وہ اللہ تَعَالٰی کے علم، قضا و قدر اور ارادے سے تو ہیں مگر گناہ میں اللہ تَعَالٰی کی ناپسندیدگی ہے، جیسے کہ اللہ تَعَالٰی نے پارہ ۳ سورۂ آلِ عمران کی آیت نمبر ۳۲ میں ارشاد فرمایا:

فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الۡکٰفِرِیۡنَ۔ **ترجمۂ کنزالایمان:** تو اللہ کو خوش نہیں آتے کافر۔

اور نہ ہی اس میں اللہ تَعَالٰی کی رضا ہوتی ہے، جیسے کہ اللہ تَعَالٰی نے پارہ ۲۳ سورۂ زمر کی آیت نمبر ۷ میں ارشاد فرمایا:

وَ لَا یَرۡضٰی لِعِبَادِہِ الۡکُفۡرَ۔ **ترجمۂ کنزالایمان:** اور اپنے بندوں کی ناشکری اسے پسند نہیں۔

اور نہ ہی اس میں اللہ تَعَالٰی کا حکم ہوتا ہے، جیسے کہ اللہ تَعَالٰی نے پارہ ۸ سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۲۸ میں ارشاد فرمایا:

قُلۡ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَاۡمُرُ بِالۡفَحۡشَآءِ۔ **ترجمۂ کنزالایمان:** تو فرماؤ بے شک اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔

صَلُّوا عَلَی الۡحَبِیۡب! صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی مُحَمَّد

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ واٰلِہٖ وَسَلَّم

10: اَلْقَوْلُ فِیْ عِصْمَةِ الْاَنْبِیَاءِ:

وَالْاَنْبِیَاءُ عَلَیْہِمُ السَّلَامُ کُلُّهُمْ مُنَزَّہُوْنَ عَنِ الصَّغَائِرِ وَ الْکَبَائِرِ وَ الْکُفْرِ وَ الْقَبَائِحِ وَ قَدْ کَانَتْ مِنْهُمْ زَلَّاتٌ وَ خَطِیْئَاتٌ۔

ترجمہ: تمام انبیائے کرام علیہم السلام صغیرہ وکبیرہ گناہوں اور کفر و فواحش سے پاک ہوتے ہیں، اور ان میں سے بعض حضرات سے لغزشیں سرزد ہوئی ہیں۔

سوال: نبی کسے کہتے ہیں؟

جواب: اللہ تعَالیٰ نے مخلوق کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے جن پاک بندوں کو اپنے احکام پہنچانے کے لئے بھیجا ان کو ”نبی“ کہتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام ہی وہ بشر (انسان) ہیں جن کے پاس اللہ تعَالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے۔

سوال: کیا جِنّ اور فرشتے بھی نبی ہوتے ہیں؟

جواب: نہیں، نبی صرف انسانوں میں سے ہوتے ہیں اور ان میں سے بھی فقط مرد، کوئی عورت نبی نہیں ہو سکتی البتہ رسول انسانوں کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ فرشتوں میں بھی رسول ہیں۔

سوال: کیا انبیائے کرام معصوم ہوتے ہیں؟

جواب: جی ہاں! تمام انبیائے کرام معصوم ہیں، اور اس حکم میں رسول بھی شامل ہیں۔

سوال: معصوم کس کو کہتے ہیں؟

جواب: جو اللہ تعَالیٰ کی حفاظت میں ہو اور اس وجہ سے اس کا گناہ کرنا ناممکن ہو۔

سوال: انبیائے کرام کے متعلق ہمارا عقیدہ کیسا ہونا چاہئے؟

جواب: انبیائے کرام علیہم السلام کے بارے میں ہم اہلِ سنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ: انبیا علیہم السلام شرک و کفر اور ہر ایسے امر سے جو خلق کے لیے باعثِ نفرت ہو، جیسے کذب و خیانت و جہل وغیرہا صفاتِ ذمیمہ سے، نیز ایسے افعال سے جو وجاہت اور مُروّت کے خلاف ہیں قبلِ نبوت اور بعدِ نبوت بالاجماع معصوم ہیں اور کبائر سے بھی مطلقاً معصوم ہیں اور حق یہ ہے کہ تعمّدِ صغائر سے بھی قبلِ نبوّت اور بعدِ نبوّت معصوم ہیں۔("روح البیان"، پ ۲۳، ج ۸، ص ۴۵، تحت الآیۃ: ۴۴)

اللہ تعَالیٰ نے انبیاء علیہم السلام پر بندوں کے لیے جتنے احکام نازل فرمائے اُنھوں نے وہ سب پہنچا دئے، جو یہ کہے کہ کسی حکم کو کسی نبی نے چھپا رکھا، تقیہ یعنی خوف کی وجہ سے یا اور کسی وجہ سے نہ پہنچایا، کافر ہے۔("الجامع لأحکام القرآن" للقرطبي، ج ۳، الجزء الثاني، ص ۱۴۵)

احکامِ تبلیغیہ میں انبیاء سے سہو و نسیان محال ہے۔ نیز اُن کے جسم کا برص و جذام وغیرہ ایسے امراض سے جن سے تنفّر ہوتا ہے، پاک ہونا ضروری ہے۔ اللہ عزوجل نے انبیاء علیہم السلام کو اپنے غیوب پر اطلاع دی۔("تفسیر روح البیان"، ج ۱، ص ۱۰۰،)

نبی کی تعظیم فرضِ عین بلکہ اصلِ تمام فرائض ہے۔ کسی نبی کی ادنیٰ توہین یا تکذیب، کفر ہے۔
("تفسیر روح البیان"، پ ۱۰، التوبۃ، ج ۳، ص ۳۹۴)

انبیاء کی کوئی تعداد معیّن کرنا جائز نہیں، کہ خبریں اِس باب میں مختلف ہیں اور تعداد معیّن پر ایمان رکھنے میں نبی کو نبوّت سے خارج ماننے، یا غیرِ نبی کو نبی جاننے کا احتمال ہے اور یہ دونوں باتیں کفر ہیں، لہٰذا یہ اعتقاد چاہیے کہ اللہ (عزوجل) کے ہر نبی پر ہمارا ایمان ہے۔("المسامرۃ بشرح المسایرۃ"، ص ۲۲۵)

سوال: کیا بعض انبیائے کرام سے لغزشیں ہوئی ہیں؟ اور ان کا تذکرہ کرنا کیسا ہے؟

جواب: جی ہاں ! بعض انبیائے کرام علیہم السلام سے لغزشیں سرزد ہوئی ہیں ، مگر ان کا ذکر تلاوتِ قرآن وروایتِ حدیث کے سوا حرام اور سخت حرام ہے، اوروں کو اُن سرکاروں میں لب کشائی کی کیا مجال...! مولیٰ عزوجل اُن کا مالک ہے، جس محل پر جس طرح چاہے تعبیر فرمائے، وہ اُس کے پیارے بندے ہیں، اپنے رب کے لئے جس قدر چاہیں تواضع فرمائیں، دوسرا اُن کلمات کو سند نہیں بناسکتا اور خود اُن کا اطلاق کرے تو مردودِ بارگاہ ہو، پھر اُن کے یہ افعال جن کو زَلّت و لغزش سے تعبیر کیا جائے ہزارہا حِکَم و مَصالح پر مبنی، ہزارہا فوائدو برکات کی مُثمِر (ہزاروں فائدوں اور برکتوں کو لانے والی) ہوتی ہیں، ایک لغزشِ آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو دیکھیے، اگر وہ نہ ہوتی، جنت سے نہ اترتے، دنیا آباد نہ ہوتی، نہ کتابیں اُترتیں، نہ رسول آتے، نہ جہاد ہوتے، لاکھوں کروڑوں مثُوبات (نیکیوں کے اجر) کے دروازے بند رہتے، اُن سب کا فتحِ باب ایک لغزشِ آدم کا نتیجہ بارکہ و ثمرہ طیّبہ ہے۔ بالجملہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی لغزش، مَن وتُو کس شمار میں ہیں، صدیقین کی حَسَنات سے افضل واعلیٰ ہے۔

"حَسَنَاتُ الاَبْرَارِ سَیِّاٰتُ الْمُقَرَّبِیْنَ." نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے لئے خطاؤں کا درجہ رکھتی ہیں۔ ("النبراس"، الملائکۃ علیہم السلام، ص ۲۸۶)

امام اعظم گفتگو میں پہل کرنے سے بچتے

حضرتِ سیِّدُنا فُضَل بن دُکَین رحمۃُ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں: امامِ اعظم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم نہایت بارُعب تھے، (بات شُروع کرنے میں پَہَل نہ فرماتے بلکہ) جب بھی گفتگو فرماتے تو کسی کے جواب ہی کیلئے فرماتے اور بیکار باتیں سنتے ہی نہ تھے نیز ایسی باتوں پر توجُّہ بھی نہ فرماتے۔

(اَلْخَیْرَاتُ الْحِسان ص ۵۵)

11: اَلْقَوْلُ فِی الرَّسُوْلِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ:

وَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ نَبِيُّهٗ وَ عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ وَ صَفِيُّهٗ ، وَ لَمْ يَعْبُدِ الصَّنَمَ وَلَمْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ قَطُّ ، وَلَمْ يَرْتَكِبْ صَغِيْرَةً وَلَا كَبِيْرَةً قَطُّ۔

ترجمہ: اور محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اس کے نبی اور اس کے بندے اور اس کے رسول اور اس کے چنے ہوئے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی پلک جھپکنے کے برابر، لمحہ بھر کے لئے بھی نہ تو کسی بت کی پرستش کی ہے اور نہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی کسی چھوٹے اور نہ ہی بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔

سوال: اللّٰہ کے پیارے نبی محمدِ عربی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے متعلق کیسا عقیدہ ہونا چاہئیے؟

جواب: محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اللّٰہ تَعَالٰی کے نبی، بندے، رسول اور چنے ہوئے ہیں، حضور خاتم النبیّین ہیں، یعنی اللہ عزوجل نے سلسلہ نبوّت حضور (صلی اللہ تَعَالٰی علیہ وسلم) پر ختم کر دیا، کہ حضور (صلی اللہ تَعَالٰی علیہ وسلم) کے زمانہ میں یا بعد کوئی نیا نبی نہیں ہو سکتا، جو حضور (صلی اللہ تَعَالٰی علیہ وسلم) کے زمانہ میں یا حضور (صلی اللہ تَعَالٰی علیہ وسلم) کے بعد کسی کو نبوّت ملنا مانے یا جائز جانے، کافر ہے۔ ("المعتقد المنتقد"، تکمیل الباب، ص ۱۱۹۔۱۲۰)

حضور (صلی اللہ تَعَالٰی علیہ وسلم) افضل جمیع مخلوقِ الٰہی ہیں، کہ اوروں کو فرداً فرداً جو کمالات عطا ہوئے حضور (صلی اللہ تَعَالٰی علیہ وسلم) میں وہ سب جمع کر دئے گئے ("تفسیر الخازن"، ج ۲، ص ۳۴) اور اِن کے علاوہ حضور (صلی اللہ تَعَالٰی علیہ وسلم) کو وہ کمالات ملے جن میں کسی کا حصہ نہیں۔

("المواہب اللدنیۃ"، المقصد الرابع، الفصل الثاني، ج ۲، ص ۲۵۳).

سوال: ”وَلَمْ يَعْبُدِ الصَّنَمَ وَلَمْ يُشْرِكْ بِاللهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ قَطُّ“ اس عبارت سے کیا بتانا چاہتے ہیں؟

جواب: اس عبارت سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ: محمدِ مصطفٰے صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے کبھی بھی کسی بت کی پوجا نہیں کی، اور نہ ہی پلک جھپکنے کے برابر اللّٰہ تَعَالٰی کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا، کہ انبیاء و رسل ان تمام باتوں سے معصوم ہوتے ہیں، اور نہ ہی صغیرہ و کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوئے، کہ ان سے بھی انبیاء و رسل قبلِ اعلانِ نبوت بالاجماع معصوم ہوتے ہیں، بلکہ ہمارے آقا و مولیٰ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے سبب اللّٰہ تَعَالٰی نے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ بخش دئے۔ جیسے کہ اللّٰہ تَعَالٰی پارہ ۲۶ سورۂ فتح کی آیت نمبر ۲ میں ارشاد فرماتا ہے:

لِّيَغْفِرَ لَكَ اللهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا۔

ترجمۂ کنزالایمان: تاکہ اللّٰہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کردے اور تمہیں سیدھی راہ دکھادے۔

قیامت کا خوف دلانے پر بے ہوش ہوگئے

سیّدُنا مِسْعَربن کِدام علیہ رَحمَۃُ اللّٰہ السّلام سے روایت ہے: ایک روز ہم امامِ اعظم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْاَکْرَم کے ساتھ کہیں سے گزر رہے تھے کہ بے خیالی میں امامِ اعظم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْاَکْرَم کا مبارَک پاؤں ایک لڑکے کے پَیْر پر پڑ گیا، لڑکے کی چیخ نکل گئی اور اُس کے منہ سے بے ساختہ نکلا: یَا شَیْخُ اَلَاتَخَافُ الْقِصَاصَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ! ”یعنی **جناب! کیا آپ قِیامت کے روز لئے جانے والے انتِقامِ خُداوندی سے نہیں ڈرتے؟**“ یہ سنتے ہی امامِ اعظم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْاَکْرَم پر لرزہ طاری ہوگیا اور غش کھا کر زمین پر تشریف لائے، جب کچھ دیر کے بعد ہوش میں آئے تو میں نے عرض کی کہ ایک لڑکے کی بات سے آپ اس قَدَر کیوں گھبرا گئے؟ فرمایا: ”کیا معلوم اُس کی آواز غیبی ہِدایت ہو۔“ (**اَلْمَنَاقِب لِلْمُوَفَّق** ج ۲ ص ۱۴۸)

12: اَلْمُفَاضَلَةُ بَيْنَ الصَّحَابَةِ:

وَ اَفْضَلُ النَّاسِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم اَبُوْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقُ، ثُمَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ثُمَّ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانٍ ثُمَّ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ غَابِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ كَمَا كَانُوْا، نَتَوَلَّاهُمْ جَمِيْعاً وَلَا نَذْكُرُ الصَّحَابَةَ اِلَّا بِخَيْرٍ۔

ترجمہ: اور رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم کے وجود کے بعد تمام لوگوں میں سب سے افضل حضرتِ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، پھر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، پھر حضرتِ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، پھر حضرتِ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، یہ حضرات حق پر ثابت قدم رہے جیسا کہ ماضی میں تھے، ہم ان سب سے محبت کرتے ہیں، اور ہم صحابہ کا ذکر نہیں کرتے مگر بھلائی کے ساتھ۔

سوال: صحابی کسے کہتے ہیں؟

جواب: جس نے ایمان کی حالت میں نبی اکرم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم کو دیکھا ہو اور ایمان ہی کی حالت میں اس کا انتقال ہوا ہو وہ صحابی ہے۔

سوال: کیا کوئی مسلمان عبادت وریاضت کرکے کسی صحابی کے مَرتبہ کو پہنچ سکتا ہے؟

جواب: کوئی ولی، کوئی غوث، کوئی قُطب چاہے کتنی ہی عبادت کرلے، مرتبہ میں کسی صحابی کے برابر نہیں ہو سکتا۔

سوال: امامت کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: امامت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) امامتِ صُغریٰ، اس سے مراد امامتِ نماز ہے۔

(۲) امامتِ کُبریٰ، اس سے مراد حضور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی نیابتِ مُطلَقہ ہے کہ مسلمانوں کے تمام دینی و دنیوی اُمور میں شریعت کے مطابق تصرُّفِ عام کا اختیار رکھے جیسے خلفائے راشدین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ کی خلافت اور یہاں اسی امامتِ کُبریٰ کا بیان ہے۔

سوال: ایک امام میں کِن کِن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے؟

جواب: امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ ظاہر ہو، امام قریشی، مسلمان، مرد، آزاد، عاقل، بالغ اور اپنی رائے، تدبیر اور شوکت و قوّت سے مسلمانوں کے اُمور میں تَصرُّف یعنی تبدیلی کر سکتا ہو یعنی صاحبِ سیاست ہو۔ اپنے علم، عدل اور شُجاعت و بہادری سے احکام نافذ کرنے اور دارُالاسلام کی سرحدوں کی حفاظت اور ظالم و مظلوم کے انصاف پر قادر ہو۔

سوال: خلفائے راشدین سے کیا مراد ہے؟

جواب: حضور نبی کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد خلیفہ بَرحَق حضرت ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ پھر حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ پھر حضرت عثمان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ پھر حضرت علیُّ المرتضیٰ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ پھر چھ ماہ کے لئے حضرت امام حسن مجتبیٰ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ خلیفہ ہوئے ان حضرات کو خلفائے راشدین اور انہی کی خلافت کو "خلافتِ راشدہ" کہتے ہیں۔

سوال: ان خلفائے راشدین میں سب سے افضل کون ہیں؟

جواب: انبیاء و مُرسَلین کے بعد تمام مخلوقات سے افضل حضرت ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ پھر حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ پھر حضرت عثمان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ پھر حضرت علیُّ المرتضیٰ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہیں۔ ان حضرات کے فضائل کُتبِ احادیث میں مسطور اور ان کے شمائل علما کی زبانوں پر مشہور ہیں۔ نیز یہ ترتیب رافضیوں کی رد ہے کہ وہ حضرتِ علی کو شیخین سے افضل جانتے ہیں۔

خلفائے اربعہ راشدین کے بعد بقیہ عشرہ مبشَّرہ و حضرات حسنین و اصحابِ بدر و اصحابِ بیعۃ الرضوان کے لئے افضلیت ہے، اور یہ سب قطعی جنتی ہیں۔ ("شرح المسلم "للنووي، کتاب فضائل الصحابۃ، ص ۲۷۲)

سوال: امام اعظم رضی اللّٰہ عنہ نے "وَ اَفْضَلُ النَّاسِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اَبُوْبَکْرٍ الصِّدِّیْقُ" فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رسول اللّٰہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد سب سے افضل ہیں حالانکہ انبیاء و رسل کے بعد سب سے افضل ہیں، اس کا کیا جواب ہے؟

جواب: امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے "وَ اَفْضَلُ النَّاسِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اَبُوْ بَکْرٍ الصِّدِّیْقُ" فرمایا، اور اس سے مراد بعد وجودِ رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہے، اور رہے عیسیٰ علیہ السلام تو ان کا وجود رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے پہلے ہے اگرچہ ان کا نزول قربِ قیامت ہو گا۔ اور امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کی مراد بعدیۃِ زمان ہے لہٰذا اس عبارت پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا، البتہ افضل الناس بعد الانبیاء کہنا بہتر تھا، تاکہ کوئی شکوک و شبہات پیدا نہ ہوتا۔ (منح الروض الازہر ص ۱۰۷)

سوال: افضلیت سے کیا مراد ہے؟

جواب: افضلیت سے مراد "اللہ تَعَالٰی کے یہاں زیادہ عزت و منزلت والا ہونا ہے"، اور اسی کو کثرتِ ثواب سے بھی تعبیر کرتے ہیں، اور ان حضرات کی خلافت بر ترتیبِ فضیلت ہے یعنی جو عند اللہ افضل و اعلیٰ و اکرم تھا وہی پہلے خلافت پاتا گیا، نہ کہ افضلیت بر ترتیبِ خلافت۔ (بہار شریعت جلد ۱ ص ۲۴۷)

سوال: اگر کوئی کہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ یا حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے حضرت علیؓ

المرتضیٰ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ افضل ہیں تو اس کے بارے میں کیا کہیں گے؟

جواب: ایسا کہنے والا شخص گمراہ بد مذہب ہے۔

سوال: "غَابِرِیۡنَ عَلَی الۡحَقِّ کَمَا کَانُوۡا" اس عبارت سے کیا بتانا چاہتے ہیں؟

جواب: یہ عبارت روافض کا رد ہے کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ: حضرتِ ابو بکر، عمر و عثمان رضی اللہ عنہم رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ظاہری وفات کے بعد معاذ اللہ گمراہ ہو گئے اور انہوں نے خیانت کی، کہ حقدارِ خلافت حضرتِ علی رضی اللہ عنہ تھے۔ لہذا امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کے رد میں فرمایا کہ تمام صحابہ اہلِ خیر و صلاح ہیں اور عادل ہیں، جس طرح رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے زمانۂ مبارکہ میں اہلِ تقوی تھے ویسے ہی بعدِ وفاتِ ظاہری قائم و دائم رہے۔ پس ہم اہلِ سنت و جماعت تمام صحابہ سے محبت کرتے اور ان کا ذکر خیر کے ساتھ کرتے ہیں، کہ کسی صحابی کے ساتھ سوئے عقیدت بد مذہبی و گمراہی و استحقاقِ جہنم ہے، کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: لَا تَسُبُّوۡا اَصۡحَابِیۡ۔ میرے صحابہ کو گالی نہ دو۔ (منح الروض الازہر ص ۱۲۵)

سوال: صحابۂ کرام عَلَیۡہِمُ الرِّضۡوَان کے بارے میں ایک مسلمان کو کیسا عقیدہ رکھنا چاہیے؟

جواب: حضور نبی کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے تمام صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنۡہُمۡ مُتّقی و پرہیز گار ہیں ان کا ذکر اَدب، محبت اور توقیر کے ساتھ لازم ہے، تمام صحابۂ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنۡہُمۡ جنّتی ہیں، روزِ محشر فرشتے ان کا استقبال کریں گے۔

سوال: کسی صحابی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ کے بارے میں زبان درازی کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: کسی صحابی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے بدعقیدگی یا کسی کی شان میں بدگوئی کرنا انتہائی درجہ کی بدنصیبی اور گمراہی ہے۔ وہ فِرقہ نہایت بدبخت اور بددین ہے جو صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ پر لَعن طَعن یعنی بُرا بھلا کہنے کو اپنا مذہب بنائے ان کی دشمنی کو ثواب کا ذریعہ سمجھے۔ صحابۂ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی بڑی شان ہے، ان کی تکلیف سے حضور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو ایذا ہوتی ہے۔

کبھی ننگے سر نہ دیکھا

"تذکِرۃُ الْاَولیاء "میں ہے، سیِّدُنا داؤد طائی رحمۃُ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: میں امامِ اعظم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم کی خدمت میں بیس سال حاضر رہا۔ خَلوت ہو یا جَلوت (یعنی لوگوں کے درمیان ہوں یا اکیلے)، کبھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ننگے سر دیکھا، نہ کبھی پاؤں پھیلائے دیکھا۔ ایک بار عرض کی: حضور! تنہائی میں تو پاؤں پھیلا لیا کریں۔ فرمایا: "مَجمع میں تو لوگوں کا احترام کروں اور تنہائی میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کا احتِرام نہ کروں، یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔" **(تذکرۃُ الاولیاء ۱۸۸)**

13: لَا نُكَفِّرُ مُسْلِماً بِذَنْبٍ مِنَ الذُّنُوبِ

لَا نُكَفِّرُ مُسْلِماً بِذَنْبٍ مِنَ الذُّنُوبِ وَإِنْ كَانَتْ كَبِيْرَةً إِذَا لَمْ يَسْتَحِلَّهَا ،وَلَا نُزِيْلُ عَنْهُ اِسْمَ الْاِيْمَانِ وَنُسَمِّيْهِ مُؤمِناً حَقِيْقَةً ،وَيَجُوْزُ اَنْ يَّكُوْنَ مُؤمِناً فَاسِقاً غَيْرَ كَافِرٍ۔

ترجمہ: اور ہم گناہوں میں سے کسی گناہ کی وجہ سے کسی مسلمان کو کافر قرار نہیں دیتے اگرچہ وہ گناہ بڑا ہو،جب تک وہ اس گناہ کو ہلکا نہ جانے،ہم ایسے شخص سے ایمان کو زائل نہیں سمجھتے،اور ہم اس کو حقیقی مؤمن ہی موسوم کرتے ہیں،اور اس کا فاسق مؤمن ہونا روا ہے نہ کہ کافر۔

سوال: مرتکبِ کبیرہ کے متعلق مؤمن و کافر ہونے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: اس کے متعلق اختلاف ہے چنانچہ:

مذہبِ خوارج: یہ لوگ مرتکبِ کبیرہ کو کافر کہتے ہیں۔

مذہبِ اہلِ سنت: اہلِ سنت کے نزدیک مرتکبِ کبیرہ کافر نہیں،جب تک کہ وہ اس گناہ کو حلال نہ جانے۔اور ”لَا نُكَفِّرُ مُسْلِماً بِذَنْبٍ مِنَ الذُّنُوبِ وَإِنْ كَانَتْ كَبِيْرَةً إِذَا لَمْ يَسْتَحِلَّهَا“ اس عبارت سے امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے خوارج کا رد فرمایا ہے۔

سوال: ”وَلَا نُزِيْلُ عَنْهُ اِسْمَ الْاِيْمَانِ“ اس عبارت سے کیا بتانا چاہتے ہیں؟

جواب: یہ عبارت معتزلہ کا رد ہے،کہ وہ لوگ مرتکبِ کبیرہ کو مؤمن نہیں جانتے،بلکہ اس کے ایمان سے خارج ہونے اور کفر میں داخل نہ ہونے کا قول کرتے ہیں،جبکہ اہلِ سنت و جماعت کے نزدیک مرتکبِ کبیرہ مؤمن ہی رہتا ہے۔اور ہم مرتکبِ کبیرہ کو حقیقی طور پر لفظِ مؤمن سے موسوم کرتے ہیں،نہ

کہ مجازاً، اس لئے کہ ایمان تصدیق بالجنان اور اقرار باللسان کو کہتے ہیں، جبکہ عمل بالارکان کمالِ ایمان و جمالِ احسان میں سے ہے، لہذا عمل بالارکان کے زوال سے تصدیقِ قلبی اور اقرارِ لسانی زائل نہیں ہوتی ہے۔

سوال: تو کیا مرتکبِ کبیرہ کو مؤمن کہنا جائز ہے؟

جواب: جی ہاں ! مرتکبِ کبیرہ اپنے تصدیق و اقرار کی وجہ سے مؤمن ہی ہے، مگر عصیان و اصرار کی وجہ سے فاسق ہو گیا، لہذا یہ فاسق مؤمن ہوا، نہ کہ کافر۔

اُستاد کی چوکھٹ پر سر رکھ کر سو جاتے

حضرتِ سیِّدنا عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بھی اپنے استاذِ محترم کے ساتھ احترام مثالی تھا چُنانچِہ دعوتِ اسلامی کے اِشاعتی ادارے مکتبۃُ المدینہ کی مطبوعہ ۵۶۱ صَفحات پر مشتمل کتاب، "**ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت (مُخَرَّجہ)**" صَفْحَہ ۱۴۳تا ۱۴۴ پر میرے آقا اعلیٰ حضرت، اِمامِ اَہلسنّت، مولیٰناشاہ امام اَحمد رضا خان علیہ رَحمۃُ الرَّحمٰن کا **ارشاد** ہے: حضرتِ سیِّدنا عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: جب میں بغَرَضِ **تحصیلِ علم** (یعنی علمِ دین سیکھنے کے لئے) حضرتِ زَید بن ثابِت رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درِ دولت پر جاتا اور وہ باہَر تشریف نہ رکھتے ہوتے تو براہِ ادب ان (یعنی اپنے استاذِ محترم) کو **آواز** نہ دیتا، ان کی چوکھٹ پر سر رکھ کر لیٹا رہتا۔ ہَوا خاک اور رَیتا اُڑا کر مجھ پر ڈالتی ، پھر جب (اپنے طور پر استاذِ گرامی) حضرت زید (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا شانۂ اقدس سے تشریف لاتے (تو) فرماتے: "ابنِ عَمِّ رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ! (یعنی اے رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے چچا کے بیٹے) آپ نے مجھے **اِطّلاع** کیوں نہ کرا دی؟ "میں عرض کرتا: مجھے لائق نہ تھا کہ میں آپ کو اِطّلاع کراتا۔" (**مِراٰۃُ الجِنان للیافعی ج ۱ ص ۹۹ بِتَصَرُّف دارالکتب العلمیۃ بیروت**)

14: ذِكْرُ بَعْضٍ مِّنْ عَقَائِدِ اَهْلِ السُّنَّةِ:

وَ الْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ سُنَّةٌ ، وَ التَّرَاوِيْحُ فِي لَيَالِي شَهْرِ رَمَضَانَ سُنَّةٌ ، وَ الصَّلٰوةُ خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَ فَاجِرٍ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ جَائِزَةٌ۔

ترجمہ: اور موزوں پر مسح کرنا سنت ہے، اور رمضان کے مہینے میں تراویح کی نماز ادا کرنا سنت ہے، اور ہر نیک و بد صاحبِ ایمان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔

سوال: مسح علی الخفین وتراویح کا حکم کیا ہے؟

جواب: مقیم کے لئے ایک دن و رات، اور مسافر کے لئے تین دن و رات موزوں پر مسح کرنا سنت ہے، جو کہ تواتر سے ثابت ہے۔

رمضان کی راتوں میں تراویح کی نماز سنتِ مؤکدہ ہے جس کی باقاعدہ جماعت کا آغاز فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے کیا اور فرمایا: ھذہ نعمت البدعة۔

سوال: "صلوا خلف کل بِرّ و فاجر" نماز بِرّ وفاجر کی اقتدا میں جائز ہے، اس جواز سے کیا مراد ہے؟

جواب: یہ جواز اس معنی پر ہے کہ فرض اتر جائے گا، نہ یہ کہ کوئی کراہت نہیں۔ فتاوی شامی میں ہے کہ "فاسق و مبتدع کے پیچھے نماز مکروہ و منع ہے"۔ اصل بات یہ ہے کہ نمازِ عام کی امامت سلاطین خود کرتے ہیں یا وہ، جسے وہ مقرر کریں اور بعض وقت حُکّام بد مذہب یا فاسق بھی ہوئے، اُن کے پیچھے نماز پڑھنے سے وہی اندیشہ تھا تلوار اور تازیانہ کا، اسی بنا پر یہ حدیث آئی ہے کہ ضرورت کے وقت ان کے پیچھے پڑھ لے۔ اور علماء نے فرمایا ہے کہ "یہ حکم اس صورت میں ہے کہ اس کا فسق حدِ کفر تک نہ پہنچا ہو اور کوئی مرد صالح موجود نہ ہو"۔ (أشعة اللمعات، کتاب الصلاۃ، باب الإمامۃ، ج۱، ص۵۱۷، مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ)

اور پھر صاحبِ مرقات نے اس حدیث کے نیچے صاف لکھ دیا ہے کہ "ان کے پیچھے نماز مکروہ" ہے۔(مرقاۃ شرح المشکاۃ، کتاب الصلاۃ، باب الإمامۃ، ج۳، ص۲۰۱، رقم الحدیث:۱۱۲۵، دارالفکر، بیروت)

علاوہ بریں اس حدیث کی صحت میں بھی علمائے محدثین، مثل دار قطنی وغیرہ کو کلام ہے اور اس حدیث کا شروع کا ٹکڑا یہ ہے۔"جاهدوا مع كل بر أكان أو فاجر ا"یعنی ہر سلطان کے ساتھ جہاد کرو چاہے وہ نیک ہو یابد۔ اسی سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں بادشاہوں کا ذکر ہے۔ مگر غیر مقلّدین اس حدیث پر اپنی خاص غرضوں کیلئے زور دیتے ہیں کہ اگرچہ مبتدع اور فاسق ہیں مگر ان کے پیچھے نماز پڑھنی واجب ہے اور ان کے پیشوا اسمٰعیل دہلوی نے بھی یہی حدیث لوگوں کو وعظ میں سنا کر جہاد پر ابھارا تھا۔

(اِظہار الحق الجلی ص۲۷۔۲۸)

دیوبندیوں کا فریب

دیوبندیوں نے فقہِ اکبر کی جو اردو شروحات لکھی ہیں ان میں اسی مقام پر لکھا ہے کہ "صلوا خلف كل بِرّ و فاجر" والی حدیث کی بناء پر ہر نیک و بد صاحبِ ایمان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ جبکہ اس میں تفصیل ہے جیسے کہ مذکور ہوا۔

سوال:امامِ اعظم نے مذکورہ اعمالِ ثلاثہ کو عقائد کے بیان میں کیوں ذکر فرمایا؟

جواب: مذکورہ اعمالِ ثلاثہ (مسح علی الخفین، تراویح، اقتداء میں نماز ادا کرنا) باطل فرقوں کا رد ہے، اور یہ عقائد اہلِ سنت میں سے ہے۔ چنانچہ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ سے مذہبِ اہلِ سنت کے بارے میں دریافت کیا گیا، تو آپ نے فرمایا: شیخین (صدیق و فاروق) کو فضیلت دینا اور ختنین (عثمان و علی) سے محبت کرنا اور مسح علی الخفین کو جائز جاننا ہے۔

کیونکہ آپ کے دور میں کئی باطل فرقوں نے جنم لیا اور عجیب و غریب عقائد و نظریات پیش کرنے لگے، انہیں باطل فرقوں میں سے ایک خوارج تھا کہ وہ لوگ ختنین (عثمان و علی) سے بغض و نفرت کرتے تھے۔ اور ایک روافض تھا کہ وہ لوگ ختنین کو شیخین (صدیق و فاروق) پر فضیلت دیتے اور شیخین کو برا کہتے۔ اور ایک معتزلہ تھا جو مسح علی الخفین کو ناجائز جانتا تھا۔ اور کچھ لوگ نمازِ تراویح کو بدعت کہتے تھے۔ اور کچھ لوگ ہر ایک کے پیچھے نماز پڑھنے کو جائز سمجھتے اگرچہ وہ گمراہ گر ہو۔

پس امامِ اعظم نے اپنے دور میں اہلِ سنت و جماعت کی علامت و پہچان یہ بتائی: موزوں پر مسح کرنا سنت ہے، اور رمضان کے مہینے میں تراویح کی نماز ادا کرنا سنت ہے، اور ہر نیک و بد صاحبِ ایمان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ اور نماز پڑھنے کی تفصیل گزر چکی ہے۔

منقول ہے کہ خلیفۂ وقت (ابو جعفر منصور) نے حضرت سیّدُنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تَعَالٰی عنہ اور حضرت سیّدُنا ابن ابی ذئب رحمۃاللہ تَعَالٰی علیہ کی طرف کچھ مال بھیجا تو حضرت سیّدُنا ابن ابی ذئب رحمۃاللہ تَعَالٰی علیہ نے ارشاد فرمایا: "میں خلیفہ کے لئے اس مال پر راضی نہیں تو اپنے لئے کیسے راضی ہو جاؤں؟" اور امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تَعَالٰی عنہ نے ارشاد فرمایا: "اگر مجھے مارا جائے کہ ان میں سے ایک درہم کو صرف ہاتھ لگادو پھر بھی مَیں اسے نہ چھوؤں گا۔"

(مناقب الامام الاعظم للامام البزازی الکردری، الفصل الخامس، جمع المنصور مالکا وابن ابی ذئب والامام ومقالتھم لہ، ج۲، ص۱۶)

وَلَا نَقُوْلُ :اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا تَضُرُّهُ الذُّنُوْبُ، وَلَا نَقُوْلُ :اِنَّهٗ لَا يَدْخُلُ النَّارَ، وَلَا نَقُوْلُ :اِنَّهٗ يُخَلَّدُ فِيْهَا وَاِنْ كَانَتْ فَاسِقاً بَعْدَ اَنْ يَّخْرُجَ مِنَ الدُّنْيَا مُؤْمِناً۔

ترجمہ: اور ہم یہ نہیں کہتے کہ مؤمن کو گناہ کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا، اور وہ جہنم کی آگ میں داخل نہیں ہو گا، اور یہ بھی نہیں کہتے کہ وہ جہنم میں ہمیشہ رہے گا، اگرچہ وہ فاسق ہی کیوں نہ ہو، بعد اس کے کہ وہ دنیا سے مؤمن رخصت ہوا ہو۔

سوال: کیا مؤمن کو گناہ نقصان دیتا ہے؟

جواب: اہلِ سنت و جماعت کے نزدیک حصولِ ایمان و معرفت کے بعد ارتکابِ معصیت نقصان دے گا، اور سزا کے طور پر جہنم میں بھی جائے گا۔

متن کی یہ عبارت ''وَلَا نَقُوْلُ :اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا تَضُرُّهُ الذُّنُوْبُ، وَلَا نَقُوْلُ :اِنَّهٗ لَا يَدْخُلُ النَّارَ'' فرقہ مُرجیہ کا رد ہے، کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ مرتکبِ ذنوب جہنم میں داخل نہیں ہو گا،

سوال: کیا گنہگار مؤمن جہنم میں ہمیشہ رہے گا؟

جواب: اہلِ سنت و جماعت کے نزدیک گنہگار مؤمن جو ایمان کی حالت میں دنیا سے رخصت ہوا ہو وہ جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ نہیں رہے گا، بلکہ سزا پوری کر کے بالآخر جنت میں داخل کیا جائے گا، جیسے کہ پارہ ۵ سورۂ نساء کی آیت نمبر ۴۸ میں ارشادِ باری تَعَالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا۔

ترجمہ کنزالایمان: بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے، اور جس نے خدا کا شریک ٹھہرایا اس نے بڑے گناہ کا طوفان باندھا۔

اس آیت کی تفسیر میں صدر الافاضل نعیم الدین مرادآبادی لکھتے ہیں: معنی یہ ہیں کہ جو کفر پر مَرے اس کی بخشش نہیں اس کے لئے ہمیشگی کا عذاب ہے اور جس نے کفر نہ کیا ہو وہ خواہ کتنا ہی گنہگار مرتکبِ کبائر ہو اور بے توبہ بھی مر جائے تو اُس کے لئے خلود نہیں اِس کی مغفرت اللہ کی مشیّت میں ہے چاہے معاف فرمائے یا اُس کے گناہوں پر عذاب کرے پھر اپنی رحمت سے جنّت میں داخل فرمائے اس آیت میں یہود کو ایمان کی ترغیب ہے، اور اس پر بھی دلالت ہے کہ یہود پر عُرفِ شرع میں مُشرِک کا اطلاق درست ہے۔

متن کی یہ عبارت ''وَلَا نَقُوْلُ: اِنَّهٗ يُخَلَّدُ فِيْهَا وَاِنْ كَانَتْ فَاسِقاً بَعْدَ اَنْ يَّخْرُجَ مِنَ الدُّنْيَا مُؤْمِناً'' فرقۂ معتزلہ کا رد ہے، کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ: صاحبِ معصیت ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

کپڑوں کی قیمت صدقہ کردی

حضرت سیِّدُنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تَعَالٰی عنہ ہر شبہ والی چیز سے مکمل اجتناب فرماتے۔ آپ رضی اللہ تَعَالٰی عنہ کے شریکِ تجارت حضرت سیِّدُنا حفص بن عبد الرحمن علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تَعَالٰی عنہ میرے ساتھ تجارت کرتے تھے اور مجھے مالِ تجارت بھیجتے ہوئے فرمایا کرتے:"اے حفص! فلاں کپڑے میں کچھ عیب ہے۔ جب تم اسے فروخت کرو تو عیب بیان کر دینا۔ حضرت سیِّدُنا حفص نے ایک مرتبہ مالِ تجارت فروخت کیا اور بیچتے ہوئے عیب بتانا بھول گئے۔ جب امامِ اعظم رضی اللہ تَعَالٰی عنہ کو علم ہوا تو آپ رضی اللہ تَعَالٰی عنہ نے تمام کپڑوں کی قیمت صدقہ کر دی۔

(النعمان بن ثابت ابو حنیفۃ التیمی، ماذکر من جود ابی حنیفۃ وسماحہ وحسن عہدہ، ج ۱۳، ص ۳۵۶)

وَلَا نَقُوْلُ :اِنَّ حَسَنَاتِنَا مَقْبُوْلَةٌ وَ سَيِّئَاتِنَا مَغْفُوْرَةٌ كَقَوْلِ الْمُرْجِئَةِ .وَلٰكِنْ نَقُوْلُ :مَنْ عَمِلَ حَسَنَةً بِجَمِيْعِ شَرَائِطِهَا خَالِيَةً عَنِ الْعُيُوْبِ الْمُفْسِدَةِ وَ لَمْ يُبْطِلْهَا بِالْكُفْرِ وَ الرِّدَّةِ وَ الْاَخْلَاقِ السَّيِّئَةِ حَتّٰى خَرَجَ مِنَ الدُّنْيَا مُؤْمِناً .فَاِنَّ اللهَ تَعَالٰى لَا يُضِيْعُهَا بَلْ يَقْبَلُهَا مِنْهُ وَيُثِيْبُهُ عَلَيْهَا۔

ترجمہ: اور ہم یہ نہیں کہتے کہ ہماری نیکیاں (اللہ تَعالیٰ کی بارگاہ میں) مقبول ہیں، اور ہماری برائیاں بخش دی گئی ہیں، جیسے کہ فرقۂ مرجیہ کا قول ہے، لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ جس نے کوئی اچھا عمل اس کے جملہ شرائط کے ساتھ اس طرح کیا کہ وہ اچھا عمل خراب کر دینے والے عیبوں سے خالی ہو، اور عامل نے اس اچھے عمل کو کفر، ردت (مرتد ہونے) اور برے اخلاق کے ذریعہ باطل بھی نہیں کیا، یہاں تک کہ وہ دنیا سے ایمان کی حالت میں رخصت ہوا، تو اللہ تَعالیٰ (اس کے) اس عمل کو ہرگز ضائع نہیں فرمائے گا، بلکہ اسے اس سے قبول فرمائے گا اور اس پر اس کو بدلہ بھی عطا فرمائے گا۔

سوال: کیا مؤمنین کی نیکیاں مقبول اور گناہ مغفور ہیں؟

جواب: اہلِ سنت وجماعت کا اس بارے میں عقیدہ یہ نہیں ہے کہ مؤمنین کی نیکیاں مقبول اور گناہ مغفور ہیں، جیسا کہ فرقۂ مرجیہ اس بات کے قائل ہیں کہ ان کی نیکیاں مقبول اور گناہ مغفور ہیں۔

سوال: تو پھر اس بارے میں اہلِ سنت وجماعت کا کیا عقیدہ ہے؟

جواب: اس بارے میں اہلِ سنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ جب کوئی نیکی اپنے تمام شرائط کے ساتھ واقع ہو اور ابتداءً عیوبِ مفسدہ ظاہرہ اور انتہاءً معانیٔ مبطلہ باطنہ جیسے کہ کفر، عجب اور ریا وغیرہ سے پاک وصاف ہو اور عامل نے اپنے عمل کو باطل بھی نہ کیا ہو، یہاں تک کہ وہ وفات پا گیا، تو یقیناً اللہ تَعالیٰ اس کے اس عمل کو ضائع نہیں فرمائے گا، جیسے کہ پارہ ۱۱ سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۱۲۰ میں فرمانِ باری تَعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ۔

ترجمہ: بے شک اللہ نیکوں کا نیگ (اَجر وانعام) ضائع نہیں کرتا۔

اور پارہ ۴ سورۂ آل عمران کی اایت نمبر ۱۷۱ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَّ اَنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ۔

ترجمہ کنزالایمان: اور یہ کہ اللہ ضائع نہیں کرتا اجر مسلمانوں کا۔

اور اپنے فضل و کرم سے قبول فرما کر اپنے وعدہ کے مطابق اسے اس عمل کا آخرت میں بدلہ عطا فرمائے گا۔

وَمَا كَانَ مِنَ السَّيِّئَاتِ دُوْنَ الشِّرْكِ وَ الْكُفْرِ وَ لَمْ يَتُبْ عَنْهَا صَاحِبُهَا حَتّٰى مَاتَ مُؤْمِناً فَاِنَّهٗ فِي مَشِيْئَةِ اللهِ تَعَالٰى اِنْ شَاءَ عَذَّبَهٗ بِالنَّارِ ،وَاِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ وَ لَمْ يُعَذِّبْهُ بِالنَّارِ اَبَداً. وَ الرِّيَاءُ اِذَا وَقَعَ فِي عَمَلٍ مِنَ الْاَعْمَالِ فَاِنَّهٗ يُبْطِلُ اَجْرَهٗ وَكَذٰلِكَ الْعُجْبُ۔

ترجمہ: اور شرک و کفر سے کمتر جتنے بھی گناہ ہیں (ان کا مرتکب) ان گناہوں سے توبہ نہ کیا یہاں تک کہ وہ ایمان کی حالت میں مر گیا تو وہ اللہ تَعَالٰی کی مشیئت میں ہے، اگر چاہے تو اسے آگ کا عذاب دے اور اگر چاہے تو اس سے درگزر فرمائے، اور اسے جہنم کی آگ کا عذاب کبھی بھی نہ دے۔ اور ریا جب اعمال میں سے کسی عمل میں واقع ہو جائے تو ریا اس عمل کے اجر کو باطل کر دے گا، اور ایسے ہی عجب۔

سوال: کیا اللہ تَعَالٰی گنہگار بندے کو بخش سکتا ہے یا عذاب ہی دے گا؟

جواب: تمام معاصی جو خصوصاً شرک اور عموماً کفر سے کمتر ہو اور ان کا مرتکب بغیر توبہ کئے ایمان کی حالت میں مر گیا تو وہ اللہ تَعَالٰی کی مشیئت میں ہے کہ اگر اللہ تَعَالٰی چاہے تو اپنے عدل سے بقدرِ استحقاق عقاب (عذاب) دے، اور اگر چاہے تو اپنے فضل شفاعت کے ذریعہ معاف فرمادے، اور اسے جہنم میں داخل کئے بغیر ابتداءً ہی جنت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے داخل فرمادے۔

سوال: کیا ریا اور عجب اعمال کو باطل کر دیتے ہیں؟

جواب: جی ہاں! جب ریا اعمال میں ابتداءً یا اعمال پورے ہونے سے قبل درمیان میں واقع ہو جائے تو وہ اعمال کے اجر کو باطل کر دیتا ہے جیسے کہ دعوتِ اسلامی کے اِشاعَتی ادارے مکتبۃُ المدینہ کی مطبوعہ ۱۶۶ صَفحات پر مشتمل کتاب، ''رِیاکاری ''صَفْحَہ ۱۶ پر ہے: تاجدارِ رسالت، شَہَنْشاہِ نُبُوَّت، مَخْزَنِ جُودو سخاوت، پیکرِ عَظَمت و شرافت، مُحسنِ اِنسانیَّت صلی اللہ تَعَالٰی علیہ واٰلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ عزوجل اُس عمل کو قبول نہیں کرتا جس میں رائی کے دانے کے برابر بھی رِیا (یعنی دِکھاوا) ہو۔''

(اَلتَّرغِیب وَالتَّرہِیب ج ا ص ۳٦ حدیث ۲۷)

اور ایسے ہی عجب بھی اعمال کے اجر کو باطل کر دیتا ہے۔

سوال: ریا کی تعریف بیان کردیں۔

جواب: رِیا کی تعریف یہ ہے: ''اللہ عزوجل کی رِضا کے علاوہ کسی اور اِرادے سے عبادت کرنا۔'' گویا عبادت سے یہ غَرَض ہو کہ لوگ اس کی عبادت پر آگاہ ہوں تاکہ وہ ان لوگوں سے مال بٹورے یا لوگ اس کی تعریف کریں یا اسے نیک آدمی سمجھیں یا اسے عزّت وغیرہ دیں۔ (اَلزّواجر ج ا ص ۷٦)

سوال: عجب کی تعریف بیان کردیں۔

جواب: عجب کی تعریف: منعم حقیقی جل وعلا کی نعمت وعطا کو بھول کر کسی دینی یا دنیوی نعمت کو اپنا ہی کمال تصور کرنا، اور اس کے زوال سے بے خوف ہو جانا عجب ہے۔

("اِحیاء العلوم"، کتاب ذم الکبر والعجب، ج ۳، ص ۴۵۴)

مجالسِ علماء کا ادب:

حضرت سیِّدُنا عبدالعزیز دراوردی رحمۃاللہ تَعَالٰی علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سیِّدُنا امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت سیِّدُنا امام مالک بن اَنَس رضی اللہ تَعَالٰی عنہما کو عشاء کے آخری وقت کے بعد مسجدِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بحث و مباحثہ کرتے ہوئے دیکھا۔ جب ان میں سے ایک اپنا مؤقف پیش کرکے خاموش ہو جاتا تو دوسرا بھی ڈانٹے، جھڑکے یا دوسرے کو غلط قرار دیئے بغیر چُپ ہو جاتا۔ پھر وہ دونوں اسی مجلس میں صبح تک نوافل پڑھتے رہتے۔

آپ رضی اللہ تَعَالٰی عنہ کے انصاف اور اعترافِ حق کا عالَم یہ ہے کہ ارشاد فرمایا کرتے: ''ہمارا یہ قول ایک رائے ہے اور یہ ہمارے قیاس میں سے بہترین رائے ہے۔ اب جس نے اس سے بھی اچھی رائے پیش کی تو وہی زیادہ بہتر ہے۔''

(تاریخ بغداد، الرقم ۷۲۹۷ النعمان بن ثابت ابو حنیفۃ التیمی، ما قیل فی فقہ ابی حنیفۃ، ج ۱۳، ص ۳۵۱)

15: آيَاتُ الْاَنْبِيَاءِ وَ كَرَامَاتُ الْاَوْلِيَاءِ حَقٌّ:

وَ الْآيَاتُ لِلْاَنْبِيَاءِ وَ الْكَرَامَاتُ لِلْاَوْلِيَاءِ حَقٌّ، وَ اَمَّا الَّتِي تَكُوْنُ لِاَعْدَائِهٖ مِثْلَ اِبْلِيْسَ وَ فِرْعَوْنَ وَ الدَّجَّالِ مِمَّا رُوِيَ فِي الْاَخْبَارِ اَنَّهٗ كَانَ لَهُمْ فَلَا نُسَمِّيْهَا آيَاتٍ وَلَا كَرَامَاتٍ وَ لٰكِنْ نُسَمِّيْهَا قَضَاءَ حَاجَاتٍ لَهُمْ، وَ ذٰلِكَ لِاَنَّ اللهَ تَعَالٰى يَقْضِيْ حَاجَاتِ اَعْدَائِهٖ اِسْتِدْرَاجاً وَ عُقُوْبَةً لَهُمْ، فَيَغْتَرُّوْنَ بِهٖ وَ يَزْدَادُوْنَ عِصْيَاناً اَوْ كُفْراً، وَ كَذٰلِكَ كُلُّهٗ جَائِزٌ وَ مُمْكِنٌ۔

ترجمہ: انبیائے کرام کے معجزات اور اولیائے کرام کی کرامات حق ہیں، اور رہے وہ (خرقِ عادات کارنامے) جو دشمنانِ خدا کے لئے ہیں جیسے ابلیس، فرعون اور دجال جو احادیث میں مروی ہے کہ ان کے لئے ہے تو ہم ان کو معجزات اور کرامات سے موسوم نہیں کرتے لیکن ہم انہیں ان کی حاجات کی تکمیل کا نام دیتے ہیں، اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ڈھیل دینے اور ان کو سزا دینے کے طور پر اپنے دشمنوں کی حاجات پوری کرتا ہے تاکہ وہ ان کے ذریعہ دھوکے میں رہیں، اور کفر و شرک میں زیادتی کریں اور یہ سب جائز و ممکن ہے۔

سوال: معجزہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: وہ عجیب و غریب کام جو عام طور پر یعنی عادۃً ناممکن ہوں اور ایسی باتیں اگر نبوّت کا دعویٰ کرنے والے سے اس کی تائید میں ظاہر ہوں تو ان کو ''معجزہ'' کہتے ہیں جیسے حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَام کے عصا کا اژدھا بن جانا، حضرت سلیمان عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَام کا میلوں دور سے چیونٹی کی آواز سن لینا، حضرت داوٗد عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَام کے ہاتھ میں لوہے کا موم کی طرح نرم ہو جانا، حضرت عیسیٰ

عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَام کامُردوں کوزندہ کرنا،ہمارے پیارے آقا صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّم کاڈوبے ہوئے سورج کوواپس لوٹانا،چاند کے دو ٹکڑے کرناوغیرہ۔

سوال: ارہاص کسے کہتے ہیں؟

جواب: حضرات انبیائے کرام علیہم السلام سے قبل اعلان نبوت جو خلاف عادت اور عقل کو حیرت میں ڈالنے والے واقعات صادر ہوتے ہیں ان کو شریعت کی اصطلاح میں "ارہاص" کہتے ہیں۔

سوال: کرامت کسے کہتے ہیں؟

جواب: اولیاءاللّٰہ سے جو بات خلافِ عادت ظاہر ہو اسے "کرامت" کہتے ہیں۔

سوال: عام مؤمنین اور کافرین سے خرقِ عادت صادر ہونے والی چیز کو کیا کہتے ہیں؟

جواب: اگر عام مؤمنین سے خرقِ عادت چیزوں کا ظہور ہو تو اس کو "معونت" کہتے ہیں اور کسی بے باک فاجر و کافر سے کبھی اس کی خواہش کے مطابق اس قسم کی چیز ظاہر ہو جائے تو اس کو "اِستدراج" (دھوکہ) کہا جاتا ہے۔ اور جو ان کے خلاف ظاہر ہو تو اسے اہانت کہتے ہیں۔

(النبراس شرح شرح العقائد، اقسام الخوارق سبعۃ، ص ۲۷۲)

سوال: کیا انبیائے کرام سے معجزہ اور اولیائے کرام سے کرامت کا صدور حق ہے؟

جواب: جی ہاں! انبیائے کرام سے معجزات اور اولیائے کرام سے کرامات کا صدور حق ہے، کتاب و سنت سے ثابت ہے، لیکن معتزلہ اور دیگر اہلِ بدعت کراماتِ اولیاء کے منکر ہیں، شیعہ کرامات کو ائمۂ اثنا عشر کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔

سوال: انبیائے کرام عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَام کو معجزات کیوں عطا کئے جاتے ہیں؟

جواب: معجزات انبیاءعَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی نبوّت کی دلیل ہیں۔ معجزات دیکھ کر آدمی کا دل نبی کی سچائی کا یقین کرلیتا ہے جس کے ہاتھ سے قُدرت کی ایسی نشانیاں ظاہر ہوتی ہیں جن کے آگے سب لوگ عاجز و حیران ہیں ضرور وہ خُدا کا بھیجا ہوا ہے چاہے ضِدّی دُشمن نہ مانے مگر دل یقین کر ہی لیتا ہے اور عقل والے ایمان لے آتے ہیں۔

سوال: جو چیزیں دشمنانِ خدا سے صادر ہوں، انہیں معجزہ یا کرامت کہہ سکتے ہیں؟

جواب: ہر گز نہیں! کہ جو اللہ تَعَالٰی کے دشمنوں جیسے ابلیس، فرعون اور دجال وغیرہ سے خرقِ عادت کارنامے صادر ہوتے ہیں یا ہوں گے جن کا تذکرہ احادیث میں ملتا ہے، ہم ان کو معجزات و کرامات کا نام نہیں دیتے، بلکہ وہ تو استدراج ہیں، جن کے ذریعہ دنیا میں دھوکہ اور آخرت میں سزا کے حقدار ہوتے ہیں، کہ اپنے موافق کارنامے ہوتے دیکھ کر ان کو اچھا گمان کرتے اور کفر و سرکشی میں حد سے گزر جاتے ہیں، اور ان کے یہ کارنامے نقلاً ثابت اور عقلاً ممکن الوقوع ہیں۔

حُرُوفِ تَہَجِّی اور شانِ مُصطَفٰی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم

(۱)۔۔۔۔۔"الف" آپ صلَّی اللہ تَعَالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے قد و قامت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ (۲)۔۔۔۔۔"باء" سے مراد آپ صلَّی اللہ تَعَالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی بہجت یعنی حسن وخوبصورتی ہے جس نے چاند اور سورج کو روشن کیا اور چمکایا۔ (۳)۔۔۔۔۔"تاء" سے مراد تائید ہے جو آپ صلَّی اللہ تَعَالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کی ہر شیطان مردود سے حفاظت کرتی ہے۔ (۴)۔۔۔۔۔"ثاء" سے مراد ثُبات ہے جس کی وجہ سے آپ صلَّی اللہ تَعَالٰی علیہ وآلہ وسلَّم ہر حال میں ثابت قدم رہے لہٰذا ہمیشہ عدل فرمایا کسی پر ظلم نہ کیا۔ (۵)۔۔۔۔۔"جِیْم" سے مراد جود ووفا ہے جس کی طرف ہمہ وقت متوجہ رہے۔ (۶)۔۔۔۔۔"حَاء" سے مراد حلم وبزرگی ہے جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ صلَّی اللہ تَعَالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کے لئے پسند فرمایا۔ (حکایتیں اور نصیحتیں ص ۵۸۷)

16: رُؤْيَةُ اللّٰهِ فِى الْآخِرَةِ:

وَ كَانَ اللهُ تَعَالىٰ خَالِقاً قَبلَ اَنْ يَّخْلُقَ، وَ رَازِقاً قَبْلَ اَنْ يَّرْزُقَ، وَ اللهُ تَعَالىٰ يُرىٰ فِي الْآخِرَةِ، وَ يَرَاهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ هُمْ فِي الْجَنَّةِ بِاَعْيُنِ رُؤُوْسِهِمْ بِلَا تَشْبِيْهٍ وَ لَا كَيْفِيَّةٍ وَلَا كَمِيَّةٍ وَ لَا يَكُوْنُ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ خَلْقِهٖ مَسَافَةٌ۔

ترجمہ: اور اللہ تَعَالیٰ مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے بھی خالق تھا، اور مخلوقات کو رزق دینے سے پہلے بھی رازق تھا۔ اور آخرت میں اللہ تَعَالیٰ کا دیدار ہو گا، اور مؤمنین جنت میں اپنے سروں کی آنکھوں سے اللہ تَعَالیٰ کو دیکھیں گے، جو کہ بغیر تشبیہ، کیفیت اور کمیت کے ہو گی، اور اللہ تَعَالیٰ اور اس کی مخلوقات کے درمیان کوئی دوری نہیں ہو گی۔

سوال: رؤیۃ باری تَعَالیٰ کا ذکر تو گزر چکا ہے پھر دوبارہ کیوں ذکر کیا گیا ہے؟

جواب: امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اس عقیدے کو مکرر بیان فرمایا، حالانکہ اس کا ذکر صفات کے بیان میں گزر چکا ہے، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس سے خواص و عوام جان لیں کہ یہ عقیدہ رکھنا واجب ہے۔

سوال: کیا اللّٰہ تَعَالیٰ مخلوق کی تخلیق سے پہلے بھی خالق و رازق تھا؟

جواب: جی ہاں! جس طرح اللہ تَعَالیٰ کی ذات قدیم، ازلی اور ابدی ہے اسی طرح اس کی صفات قدیم، ازلی اور ابدی ہیں، جس وقت کسی مخلوق کی تخلیق نہ فرمائی تھی اس وقت بھی رب تَعَالیٰ خالق و رازق تھا، ہاں ان صفات کا ظہور اس وقت ہوا جب مخلوق وجود میں آئی۔

سوال: کیا قیامت کے دن اللّٰہ تَعَالیٰ کا دیدار ہوگا؟

جواب:جی ہاں! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو گا جیسے کہ پارہ ۲۹ سورۂ قیامۃ کی آیت نمبر ۲۲۔۲۳ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وُجُوۡہٌ یَّوۡمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ۔ اِلٰی رَبِّہَا نَاظِرَۃٌ۔

ترجمۂ کنزالایمان: کچھ منہ اس دن تر و تازہ ہوں گے۔ اپنے رب کو دیکھتے۔

پس دنیا کی زندگی میں اللہ عزوجل کا دیدار نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے خاص ہے اور آخرت میں ہر سُنّی مسلمان کے لئے ممکن بلکہ واقع۔ رہا قلبی دیدار یا خواب میں، یہ دیگر انبیائے کرام علیہم السلام بلکہ اولیائے کرام کے لئے بھی حاصل ہے۔ ہمارے امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں سو ۱۰۰ بار زیارت ہوئی۔

اس کا دیدار بلا کیف ہے، یعنی دیکھیں گے اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ کیسے دیکھیں گے، جس چیز کو دیکھتے ہیں اُس سے کچھ فاصلہ مسافت کا ہوتا ہے، نزدیک یا دور، وہ دیکھنے والے سے کسی جہت میں ہوتی ہے، اوپر یا نیچے، دہنے یا بائیں، آگے یا پیچھے، اُس کا دیکھنا اِن سب باتوں سے پاک ہو گا۔ پھر رہا یہ کہ کیونکر ہو گا؟ یہی تو کہا جاتا ہے کہ کیونکر کو یہاں دخل نہیں، اِن شاء اللہ تعالیٰ جب دیکھیں گے اُس وقت بتا دیں گے۔ ان سب باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ جہاں تک عقل پہنچتی ہے، وہ خدا نہیں اور جو خدا ہے، اُس تک عقل رسا نہیں، اور وقتِ دیدار نگاہ اُس کا اِحاطہ کرے، یہ محال ہے۔(بہار شریعت جلد ا ص ۲۱۔۲۲) اہلِ سنت کا یہ عقیدہ قرآن و حدیث و اجماع کے دلائلِ کثیرہ سے ثابت ہے۔ جبکہ روافض دیدارِ الٰہی کے منکر ہیں۔

تمام آسمانی کتب کا خلاصہ کیا ہے

تمام آسمانی کتب کا خلاصہ اور اس تمام فوائد جو حضرتِ انسان کو نصیب ہوئے ہیں اس کے دو معنی ہیں۔

(۱) درجاتِ سِفلیہ سے نجات۔ (۲) درجاتِ علیا میں کامیابی۔

17: تَعْرِيْفُ الْإِيْمَانِ:

وَ الْإِيْمَانُ ہُوَ الْإِقْرَارُ وَ التَّصْدِيْقُ، وَ الْإِيْمَانُ اَہْلِ السَّمَاءِ وَ الْاَرْضِ لَا يَزِيْدُ وَلَا يَنْقُصُ، وَ الْمُؤْمِنُوْنَ مُسْتَوُوْنَ فِي الْإِيْمَانِ وَ التَّوْحِيْدِ مُتَفَاضِلُوْنَ فِي الْاَعْمَالِ۔

ترجمہ: ایمان زبان سے اقرار کرنے اور دل سے تصدیق کرنے کو کہتے ہیں، اور آسمان و زمین میں رہنے والوں کا ایمان کم اور زیادہ نہیں ہوتا ہے، اور مؤمنین ایمان و توحید کے معاملہ میں برابر ہوتے ہیں، البتہ اعمال کے اعتبار سے متفاوت ہوتے ہیں۔

سوال: ایمان کسے کہتے ہیں؟

جواب: تمام ضروریاتِ دین کا زبان سے اقرار کرنے اور دل سے تصدیق یعنی ماننے کا نام ایمان ہے۔

سوال: اہلِ آسمان و زمین سے مراد کون ہیں؟ اور کیا ایمان زیادہ کم ہوتا ہے؟

جواب: اہلِ آسمان سے مراد ملائکہ اور جنتی ہیں، اور اہلِ زمین سے مراد انبیاء و اولیاء اور تمام مؤمنین ہیں، چاہے نیک ہوں یا بد، پس ان تمام کا ایمان گھٹتا بڑھتا نہیں ہے کہ ایمان تصدیق ہے، اور تصدیق علی وجہ التحقیق زیادتی و نقصان کو قبول نہیں کرتی۔

سوال: کیا تمام مؤمنین ایمان میں برابر ہیں؟

جواب: جی ہاں! تمام مؤمنین ایمان و توحید کے اعتبار سے برابر ہیں، ان میں کوئی کسی سے افضل و مفضول نہیں، ہاں! اعمال کے اعتبار سے متفاوت ہیں، کہ کسی کی کم نیکیاں اور کسی کی زیادہ، اور اعمال ایمان کا جز نہیں، اہلِ سنت و جماعت کا یہی عقیدہ ہے۔ بخلاف معتزلہ کے، کہ یہ اعمال کو ایمان کا جز مانتے ہیں، جس

کی بناپر ایمان کے کم وبیش کے قائل ہیں، لہذا متن کی یہ عبارت ''وَ الْمُؤْمِنُوْنَ مُسْتَوُوْنَ فِي الْاِيْمَانِ وَ التَّوْحِيْدِ مُتَفَاضِلُوْنَ فِي الْاَعْمَالِ'' معتزلہ کارد ہے۔

حُرُوْفِ تَہَجِّی اور شانِ مُصطَفٰی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم

(۷)۔۔۔۔۔"خَاء" سے مراد اختصاص وصفاء ہے یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ صلَّی اللہ تَعَالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو بے شمار خوبیاں عطافرما کر ہر طرح کے میلے پن سے پاک وصاف رکھا۔(۸)۔۔۔۔۔"دَال" سے مراد دوامِ احسان یعنی بار گاہِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ سے نیکی وبھلائی پر ہمیشگی کی توفیق عطاہوئی پس آپ صلَّی اللہ تَعَالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی ہیبت و جلال سے بت اوندھے منہ گر گئے۔(۹)۔۔۔۔۔"ذَال" سے مراد ذلت سے حفاظت ہے یعنی آپ صلَّی اللہ تَعَالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی ذات عالی سے ذلت ورسوائی دور رہی حتی کہ وہ خود ہی حقارت وذلت میں مبتلاہو گئی۔(۱۰)۔۔۔۔۔"رَاء" سے مراد رحمت ہے جس کے ساتھ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ صلَّی اللہ تَعَالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو مبعوث فرمایا۔(۱۱)۔۔۔۔۔"زاء" سے مراد آپ صلَّی اللہ تَعَالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا بے مثل زُہد وقناعت ہے۔ (۱۲)۔۔۔۔۔"سِیْن" سے مراد سیادت وسرداری ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ صلَّی اللہ تَعَالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو تمام مخلوق کی سرداری سے سرفراز کرکے ممتاز فرمایا۔ (۱۳)۔۔۔۔۔"شِیْن" سے مراد شفاعت ہے کہ رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِيْن، شَفِيْعُ الْمُذْنِبِيْن، اَنِيْسُ الْغَرِيْبِيْن صلَّی اللہ تَعَالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم بروزِ قیامت گنہگاروں اور نافرمانوں کی شفاعت وسفارش فرمائیں گے۔(۱۴)۔۔۔۔۔"صَاد" سے مراد صیانت وحفاظت ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ صلَّی اللہ تَعَالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی ہر عیب سے حفاظت فرمائی اور امانت کی تلوار آپ صلَّی اللہ تَعَالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے ساتھ کر دی۔ (۱۵)۔۔۔۔۔''ضَاد'' سے مراد ضیاء وانوار ہیں جو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ صلَّی اللہ تَعَالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو عطافرمائے۔(حکایتیں اور نصیحتیں ص ۵۸۷)

18: عَلَامَةُ الْاِسْلَامِ وَ الْاِیْمَانِ:

وَ الْاِسْلَامُ ہُوَ التَّسْلِیْمُ وَ الْاِنْقِیَادُ لِاَوَامِرِ اللہِ تَعَالیٰ ، فَفِی طَرِیْقِ اللُّغَةِ فَرْقٌ بَیْنَ الْاِیْمَانِ وَ الْاِسْلَامِ وَ لٰکِنْ لَا یَکُوْنُ اِیْمَانٌ بِلَا اِسْلَامٍ وَلَا اِسْلَامٌ بِلَا اِیْمَانٍ، فَہُمَا کَالظَّھْرِ مَعَ الْبَطْنِ، وَ الدِّیْنُ اِسْمٌ وَاقِعٌ عَلَی الْاِیْمَانِ وَ الْاِسْلَامِ وَ الشَّرَائِعِ کُلِّھَا۔

ترجمہ: اور اسلام اللہ تَعَالیٰ کے احکام کو تسلیم کرنے اور اطاعت کرنے کا نام ہے، پس لغوی اعتبار سے ایمان و اسلام کے درمیان فرق ہے، لیکن اسلام کے بغیر ایمان (کا تصور ممکن) نہیں،اور ایمان کے بغیر اسلام (کا تصور ممکن) نہیں، پس یہ دونوں باطن کے ساتھ ظاہر کی طرح ہیں، اور دین ایسا اسم ہے جو ایمان، اسلام اور تمام شرعی احکام پر واقع ہوتا ہے۔

سوال: اسلام وایمان کی لغوی واصطلاحی تحقیق بیان کریں۔

جواب: اسلام کا لفظ ،س،ل،م، کے مادہ سے بنا ہے جس کے دو معنی ہیں: (۱) تسلیم و اطاعت کرنا۔ (۲) سلامتی وتحفظ حاصل کرنا۔ پس اسلام کا لفظ ان دونوں معنی پر مشتمل ہے یعنی اللہ تَعَالیٰ کے احکام کو تسلیم کرکے اپنے زندگی اس کی اطاعت میں بسر کرنا اوریوں دنیا و آخرت میں اپنے لئے سلامتی وتحفظ کا یقینی بنالینا۔

ایمان کے لغوی معنی ہیں امن دینا۔ شریعت میں ایمان اُن اسلامی عقائد کا نام ہے جنہیں مان کر انسان عذابِ الٰہی سے امن میں آجاتا ہے، یعنی تمام ان چیزوں کو ماننا جو حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم رب کی طرف سے لائے۔

سوال: کیا اسلام وایمان کے درمیان کوئی فرق ہے؟

جواب: جمہور اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ ایمان اور اسلام ایک ہی شے ہیں کیونکہ اسلام کا معنی خضوع (سر تسلیم خم کرنا، اور انقیاد (احکام کو قبول کرنا اور مان لینا) ہے اور خضوع و انقیاد یہ تصدیق ہی ہے اور ایمان کی تعریف تصدیق کے ساتھ کی جاتی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ اسلام وایمان ایک ہی ہیں اسی طرح شرعاً کسی شخص کو اس طرح کہنا جائز نہیں کہ وہ مسلمان ہے مؤمن نہیں یا مؤمن ہے مسلمان نہیں بلکہ جو مسلمان ہو گا تو وہ مؤمن بھی ہو گا اور جو مؤمن ہو وہ مسلمان بھی ہو گا۔(شرح عقائد نسفیہ ص ۲۸۵)

سوال: دین کسے کہتے ہیں؟

جواب: جب دین کا لفظ مطلق بولا جائے تو اس سے مراد تصدیق و اقرار اور انبیائے کرام کے لائے ہوئے احکام کو قبول کرنا ہوتا ہے، اور یہی امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دین سے مراد ہے، نہ کہ یہ کہ دین نام ہے اسلام کا، یا ایمان کا، یا احکام کا، بسبیلِ انفراد، جیسے کہ بعض لوگوں نے گمان کیا ہے۔

حُرُوفِ تَہَجّی اور شانِ مُصطَفٰی صلّی اللہ علیہ وسلّم

(۱۶)۔۔۔۔۔۔''طاء'' سے مراد طریقِ اقبال (یعنی راہِ عروج) ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ صلّی اللہ تَعَالٰی علیہ وآلہ وسلّم کے لئے کھول دی۔ (۱۷)۔۔۔۔۔۔''ظاء'' سے مراد ظلم و گمراہی ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ صلّی اللہ تَعَالٰی علیہ وآلہ وسلّم کے طفیل آپ صلّی اللہ تَعَالٰی علیہ وآلہ وسلّم کی امت کو ظلم و گمراہی سے نکالدیا۔(۱۸)۔۔۔۔۔۔''فاء'' سے مراد فرحت و مسرت ہے کہ آپ صلّی اللہ تَعَالٰی علیہ وآلہ وسلّم کی امت آپ صلّی اللہ تَعَالٰی علیہ وآلہ وسلّم کی زبان مبارک سے بشارتیں اور خوشخبریاں سن کر مسرور ہو گئی۔(۱۹)۔۔۔۔۔۔''قاف'' سے مراد قاب قوسین (یعنی دوہاتھ کا فاصلہ) ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ صلّی اللہ تَعَالٰی علیہ وآلہ وسلّم کو شبِ معراج اس قرب سے مشرّف فرمایا۔ (۲۰)۔۔۔۔۔۔''کاف'' سے مراد کلام الٰہی ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جھوٹ سے پاک اپنے لاریب کلام کے ذریعے آپ صلّی اللہ تَعَالٰی علیہ وآلہ وسلّم کو عزت وبزرگی عطا فرمائی۔(۲۱)۔۔۔۔۔۔''لام'' سے مراد لطفِ الٰہی ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ صلّی اللہ تَعَالٰی علیہ وآلہ وسلّم پر شک وشبہ سے مُنزّہ لطف ومہربانی فرمائی۔(۲۲)۔۔۔۔۔۔''میم'' سے مراد مَنّ (یعنی احسان) ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ صلّی اللہ تَعَالٰی علیہ وآلہ وسلّم کو اسرار پر مطلع فرما کر آپ صلّی اللہ تَعَالٰی علیہ وآلہ وسلّم پر احسان فرمایا۔(۲۳)۔۔۔۔۔۔''نون'' سے مراد نورانیتِ مصطفٰی صلّی اللہ تَعَالٰی علیہ وآلہ وسلّم ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نور صلّی اللہ تَعَالٰی علیہ وآلہ وسلّم کی دنیا میں جلوہ گری ہوتے ہی ایران کا ایک ہزار سال سے شُعلہ زن آتش کدہ بجھ گیا۔ (۲۵)۔۔۔۔۔۔''ھا'' سے مراد ہیبت ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ صلّی اللہ تَعَالٰی علیہ وآلہ وسلّم کو ایسا رعب ودبدبہ عطا فرمایا جس سے بڑے بڑے طاقتور شہسوار زیر ہوگئے۔(۲۵)۔۔۔۔۔۔''واؤ'' سے مراد وقار ہے کہ آپ صلّی اللہ تَعَالٰی علیہ وآلہ وسلّم کمالِ وقار وبردباری سے موصوف ہیں۔(حکایتیں اور نصیحتیں ص ۵۸۷)

19: مَعْرِفَتُنَا بِاللّٰهِ تَعَالٰی:

نَعْرِفُ اللهَ تَعَالٰی حَقَّ مَعْرِفَتِهٖ كَمَا وَصَفَ نَفْسَهٗ فِيْ كِتَابِهٖ بِجَمِيْعِ صِفَاتِهٖ ، وَلَيْسَ يَقْدِرُ اَحَدٌ اَنْ يَّعْبُدَ اللهَ تَعَالٰی حَقَّ عِبَادَتِهٖ كَمَا هُوَ اَهْلٌ لَهٗ. وَلٰكِنَّهٗ يَعْبُدُهٗ بِاَمْرِهٖ كَمَا اَمَرَ۔

ترجمہ: ہم اللہ تَعَالٰی کی معرفت حاصل کرتے ہیں جو اس کی معرفت کا حق ہے، جیسا کہ اس نے اپنے آپ کو اپنی کتاب میں اپنی تمام صفات کے ساتھ بیان فرمایا، اور کوئی بھی شخص اللہ تَعَالٰی کی عبادت کرنے پر قادر نہیں، جو اس کی عبادت کا حق ہے، جیسا کہ وہ عبادت کا حقدار ہے، لیکن وہ (شخص) اللہ تَعَالٰی کی عبادت اس کے حکم سے کرتا ہے جیسا کہ اس نے حکم دیا۔

سوال: ہم اللہ تَعَالٰی کی معرفت کیسے حاصل کرتے ہیں؟

جواب: جو اللہ تَعَالٰی کی معرفت کا حق ہے (باعتبار مقدورِ عبد) اس اعتبار سے ہم اس کی معرفت حاصل کرتے ہیں جیسے کہ اس نے اپنے آپ کو اپنی کتاب قرآن پاک میں اپنی صفاتِ ثبوتیہ وصفاتِ سلبیہ کے ساتھ بیان کیا ہے، نہ کہ اللہ تَعَالٰی کی ذات کی کنہ کے اعتبار سے، جیسے کہ وارد ہوا: تُفَكِّرُوْا فِيْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَا تُفَكِّرُوْا فِيْ ذَاتِ اللهِ۔ یعنی ہر چیز میں غور و فکر کرو اور اللہ تَعَالٰی کی ذات میں غور و فکر نہ کرو۔ نیز اللہ تَعَالٰی قرآنِ پاک کے پارہ ۷ سورۂ انعام کی آیت نمبر ۱۰۳ میں ارشاد فرماتا ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ٘ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ٘ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ۔

ترجمۂ کنز الایمان: آنکھیں اُسے احاطہ نہیں کرتیں اور سب آنکھیں اس کے احاطہ میں ہیں اور وہی ہے نہایت باطن پورا خبردار۔

صدر الافاضل نعیم الدین مرادآبادی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: اِدراک کے معنی ہیں مَرئی کے جوانب و حدود پر واقف ہونا اسی کو اِحاطہ کہتے ہیں۔ ادراک کی یہی تفسیر حضرت سعید ابنِ مسیّب اور حضرت

ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے اور جمہور مفسّرین ادراک کی تفسیر احاطہ سے فرماتے ہیں اور احاطہ اسی چیز کا ہو سکتا ہے جس کے حدود و جہات ہوں، اللہ تعالیٰ کے لئے حد وجِہت محال ہے تو اس کا ادراک و احاطہ بھی ناممکن، یہی مذہب ہے اہلِ سُنّت کا، خوارج و معتزِلہ وغیرہ گمراہ فرقے ادراک اور رویت میں فرق نہیں کرتے اس لئے وہ اس گمراہی میں مبتلا ہو گئے کہ انہوں نے دیدارِ الٰہی کو محالِ عقلی قرار دے دیا باوجودیکہ نفئ رویت نفئ علم کو مستلزم ہے ورنہ جیسا کہ باری تعالیٰ بخلاف تمام موجودات کے بلا کیفیت و جِہت جانا جاسکتا ہے ایسے ہی دیکھا بھی جاسکتا ہے کیونکہ اگر دوسری موجودات بغیر کیفیت وجِہت کے دیکھی نہیں جاسکتی تو جانی بھی نہیں جاسکتی، راز اس کا یہ ہے کہ رویت و دید کے معنی یہ ہیں کہ بصر کسی شے کو جیسی کہ وہ ہو ویسا جانے تو جو شے جِہت والی ہو گی اس کی رویت و دید جِہت میں ہو گی اور جس کے لئے جِہت نہ ہو گی اس کی دید بے جہت ہو گی۔

نیز پارہ ۱۶ سورۂ طٰہٰ کی آیت نمبر ۱۱۰ میں ارشاد ہوا:

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا۔

ترجمۂ کنزالایمان: وہ جانتا ہے جو کچھ اُن کے آگے ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے اور ان کا علم اسے نہیں گھیر سکتا۔

یعنی تمام کائنات کا علم ذاتِ الٰہی کا احاطہ نہیں کر سکتا، اس کی ذات کا ادراک علومِ کائنات کی رسائی سے برتر ہے، وہ اپنے اسماء وصفات اور آثارِ قدرت و شیونِ حکمت سے پہچانا جاتا ہے ۔

سوال: کیا بندے اللہ تَعَالیٰ کی عبادت ایسے کرتے ہیں جیسے کہ وہ عبادت کا حقدار ہے؟

جواب: نہیں! جیسے اللہ تَعَالٰی کی عبادت کا حق ہے اور اللہ تَعَالٰی جیسی عبادت کا حقدار ہے، ویسی عبادت کرنے پر بندے قادر نہیں ہیں، کیونکہ بندے عاجز ہیں، اس کی نعمتوں کو شمار نہیں کر سکتے، جیسے کہ پارہ ۱۳ سورۂ ابراہیم کی آیت نمبر ۳۴ میں رب تَعَالٰی فرماتا ہے:

وَ اٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُؕ-وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَاؕ-اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ۔

ترجمۂ کنز الایمان: اور تمہیں بہت کچھ منہ مانگا دیا اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو شمار نہ کر سکو گے بے شک آدمی بڑا ظالم بڑا ناشکرا ہے۔

نیز پارہ ۲۸ سورۂ تغابن کی آیت نمبر ۱۶ میں حکم دیا گیا کہ:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَ اسْمَعُوْا وَ اَطِیْعُوْا۔

ترجمۂ کنز الایمان: تو اللہ سے ڈرو جہاں تک ہو سکے، اور فرمان سنو اور حکم مانو۔

یعنی بقدر اپنی وسعت و طاقت کے طاعت و عبادت بجالاؤ۔

سوال: تو پھر بندے اللہ تَعَالٰی کی عبادت کیسے کرتے ہیں؟

جواب: بندے اپنے عجز کے وصف کے ساتھ اللہ تَعَالٰی کے حکم پر عمل کرتے ہوئے اس کی عبادت کرتے ہیں، اور بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ اگر ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنَ'' کی قراءت سے اللہ تَعَالٰی ہمیں حکم نہ ارشاد فرماتا تو ہم اس کی عبادت ادا نہ کر پاتے۔

وَ يَسْتَوِى الْمُؤمِنُوْنَ كُلُّهُمْ فِي الْمَعْرِفَةِ وَ الْيَقِيْنِ وَ التَّوَكُّلِ وَ الْمَحَبَّةِ وَ الرِّضَاءِ وَ الْخَوْفِ وَ الرَّجَاءِ وَ الْاِيْمَانِ۔ وَ يَتَفَاوَتُوْنَ فِيْمَا دُوْنَ الْاِيْمَانِ فِي ذٰلِكَ كُلِّهٖ وَ اللهُ تَعَالىٰ مُتَفَضِّلٌ عَلَى عِبَادِهٖ، عَادِلٌ قَدْ يُعْطِيْ مِنَ الثَّوَابِ اَضْعَافَ مَا يَسْتَوْجِبُهُ الْعَبْدُ تَفَضُّلاً مِنْهُ، وَ قَدْ يُعَاقِبُ عَلَى الذَّنْبِ عَدْلاً مِنْهُ وَ قَدْ يَعْفُوْ فَضْلاً مِنْهُ۔

ترجمہ: تمام مسلمان اللہ تعالیٰ کی پہچان، اس پر یقین رکھتے، توکل کرتے، اس کی محبت اور رضا مندی، اس سے ڈرنے، اور امید رکھنے، اور ایمان لانے (جیسے امور) میں برابر ہوتے ہیں، اور ان تمام امور میں ایمان کے سوا (دیگر اعتبارات سے) مختلف ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر فضل کرنے والا عدل کرنے والا ہے، اور کبھی اپنے فضل سے بندے کو اس کے استحقاق سے کئی گنا زیادہ ثواب عطا فرماتا ہے، اور کبھی اپنے عدل سے بندے کو اس کے گناہ کی سزا دیتا ہے، اور کبھی اپنے فضل سے معاف فرما دیتا ہے۔

سوال: تمام مؤمنین کن امور میں ایک دوسرے کے برابر ہیں؟

جواب: تمام مؤمنین اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت رکھنے، اور دینی امور میں یقین رکھنے، اور اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنے، اور اللہ ورسول سے محبت کرنے، اور قضا وقدر پر راضی رہنے، اور اللہ کے غضب وعذاب کا خوف کرنے، اور اللہ تعالیٰ کی رضا وثواب کی امید رکھنے، اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے ثبوت کا ایقان رکھنے میں برابر ہیں، کیونکہ ان امور میں کمی وزیادتی کا تصور نہیں۔

سوال: تمام مؤمنین کن امور میں ایک دوسرے سے متفاوت ہیں؟

جواب: جو امور ایمان (یعنی تصدیق و اقرار) کے علاوہ ہیں، ان امور میں تمام مؤمنین ایک دوسرے سے متفاوت ہیں، مثلاً قیامِ ارکان میں، تقوی کے مختلف درجات کے سبب، مراتبِ عصیان

میں، فجار کے اختلاف کے سبب۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ: ایمان ایک ہے اور اہلِ ایمان، ایمان کی اصل میں برابر ہیں اور خشیت، تقوی، مخالفت، ہوی اور ملازمتِ اولی کے اعتبار سے متفاضل ومتفاوت ہیں۔۔(منح الروض الازہر ص ۱۶۸)

سوال: اللہ تَعَالٰی کا عدل وفضل کیسا ہے؟

جواب: اللہ تَعَالٰی اپنے بعض بندوں پر اپنے فضل سے فضل فرمانے والا اور اپنے بعض بندوں کے ساتھ اپنے عدل سے عدل فرمانے والا ہے، اور کبھی اللہ تَعَالٰی محض اپنے فضل سے بندہ جس کا مستحق ہوتا ہے اس سے کئی گنا زیادہ دنیا و آخرت میں ثواب عطا فرماتا ہے جیسے کہ پارہ ۳ سورۂ بقرۃ کی آیت نمبر ۲۶۱ میں ارشاد ہوا:

وَ اللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔

ترجمہ کنزالایمان: اور اللہ اس سے بھی زیادہ بڑھائے جس کے لئے چاہے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

اور کبھی اللہ تَعَالٰی گناہوں پر بغیر کسی زیادتی کے بندے کے مستحق ہونے کے بقدر اپنے عدل سے سزا فرماتا ہے جیسے کہ پارہ ۸ سورۂ انعام کی آیت نمبر ۱۶۰ میں ارشادِ باری تَعَالٰی ہے:

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزٰۤى اِلَّا مِثْلَهَا وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ۔

ترجمہ کنزالایمان: جو ایک نیکی لائے تو اس کے لیے اس جیسی دس ہیں، اور جو بُرائی لائے تو اسے بدلہ نہ ملے گا مگر اس کے برابر اور ان پر ظلم نہ ہو گا۔

اور کبھی اپنے فضل سے بندے کے ساتھ سیئات سے در گزر فرماتا ہے، اور یہ در گزر فرمانا یا شفاعت سے ہو، یا اس کے علاوہ سے ہو، جیسے کہ پارہ ۲۵ سورۂ شوری کی آیت نمبر ۳۰ میں ارشادِ خداوندی ہے:

وَ مَاۤ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ وَ یَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ۔

ترجمہ کنز الایمان: اور تمہیں جو مصیبت پہنچی وہ اس کے سبب سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا اور بہت کچھ تو معاف فرما دیتا ہے۔

(منح الروض الازہر ص ۱۶۹)

صدر الافاضل نعیم الدین مرادآبادی اس آیت کی تحت لکھتے ہیں: یہ خطاب مؤمنینِ مکلّفین سے ہے جن سے گناہ سرزد ہوتے ہیں، مراد یہ ہے کہ دنیا میں جو تکلیفیں اور مصیبتیں مؤمنین کو پہنچتی ہیں اکثر ان کا سبب ان کے گناہ ہوتے ہیں، ان تکلیفوں کو اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کا کَفّارہ کر دیتا ہے اور کبھی مؤمن کی تکلیف اس کے رفعِ درجات کے لئے ہوتی ہے جیسا کہ بخاری و مسلم کی حدیث میں وارد ہے انبیاء علیہم السلام جو گناہوں سے پاک ہیں اور چھوٹے بچّے جو مکلَّف نہیں ہیں اس آیت کے مخاطب نہیں۔

نیز پارہ ۵ سورۂ نساء کی آیت نمبر ۴۸ میں ارشاد ہوا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ۔

ترجمہ کنز الایمان: بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے۔

تنہائی میں کیا کرنا چاہئے؟

جب بھی ہمیں تنہائی میسر آئی تو ہم نے اس تنہائی میں گناہ تو کیا کیا کبھی تنہائی میں اپنے رب کے حضور حاضر ہو کر معافی مانگی؟

20: شَفَاعَةُ الْاَنْبِيَاء، وَ الْمِيْزَانُ وَ الْحَيْضُ:

وَ شَفَاعَةُ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ حَقٌّ، وَ شَفَاعَةُ نَبِيِّنَا صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم لِلْمُؤْمِنِيْنَ الْمُذْنِبِيْنَ وَ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْهُمُ الْمُسْتَوْجِبِيْنَ لِلْعِقَابِ حَقٌّ ثَابِتٌ۔ وَ وَزْنُ الْاَعْمَالِ بِالْمِيْزَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَقٌّ، وَ الْقِصَاصُ فِيْمَا بَيْنَ الْخُصُوْمِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَقٌّ، فَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمُ الْحَسَنَاتُ طَرْحُ السَّيِّئَاتِ عَلَيْهِمْ جَائِزٌ وَ حَقٌّ۔ وَ حَوْضُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم حَقٌّ۔

ترجمہ: اور انبیائے کرام علیہم السلام کی شفاعت حق ہے، اور ہمارے نبی صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم کی شفاعت گنہگار مؤمنین اور بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کرکے سزا کے مستحق بن جانے والوں کے لئے حق ہے، اور ثابت ہے۔ اور قیامت کے دن ترازو کے ذریعہ اعمال کا وزن کیا جانا حق ہے۔اور قیامت کے دن جھگڑوں کے درمیان بدلہ دلایا جانا حق ہے۔اور اگر ان کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو ان پر گناہوں کا لادا جانا جائز اور حق ہے۔اور نبی صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم کا حوضِ (کوثر) حق ہے۔

سوال: شفاعت کسے کہتے ہیں؟

جواب: شفاعت کے معنی ہیں کوئی شخص اپنے بڑے کی بارگاہ میں اپنے چھوٹے کے لئے سفارش کرے۔ دھمکی یا دَباؤ سے بات منوانے کو شفاعت نہیں کہتے اور نہ ہی شفاعت ڈر کر یا دَب کر مانی جاتی ہے۔ اتنی بات تو عام لوگ بھی جانتے ہیں کہ دَب کر بات ماننا قبولِ سفارش نہیں بلکہ بزدلی و مجبوری اور ناچاری ہے۔

سوال: اَہلِ سُنَّت کا شفاعت کے بارے میں کیا عقیدہ ہے؟

جواب: خاصّانِ خدا عَزَّوَجَلَّ کی شفاعت حق ہے اور اس پر اِجماع ہے۔ بکثرت آیاتِ قرآن اس

کی گواہ ہیں اور اس بارے میں بہت زیادہ اَحادیثِ کریمہ بھی وَارِد ہیں، کتبِ دِینیہ اس سے مالامال ہیں۔ اس عقیدے کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ جل جلالہٗ خالق و مالک و شہنشاہِ حقیقی ہے، اس کو کسی سے کسی قسم کا نہ تو لالچ ہے اور نہ ہی ڈر، وہ تمام عالَم سے غنی ہے اور سب اُس کے محتاج ہیں۔ اسی نے اپنی قدرتِ کاملہ و حکمتِ بالغہ سے اپنے بندوں میں سے اپنے محبوبوں کو چن لیا اور اپنے تمام محبوبوں کا سردار، مَدنی تاجدار، شفیعِ روزِ شمار، جنابِ احمدِ مختار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کو کیا۔ وہ بکمالِ بے نیازی اپنے کرم سے اپنے محبوبانِ کرام کی ناز برداری فرماتا ہے۔ اس نے اپنے محبوبوں کی عظمت و جلالت اور شانِ محبوبیت دیگر بندوں پر ظاہر فرمانے، ان کی شان و شوکت و وَجاہت دکھانے کیلئے اُن کو اپنے بندوں کا شفیع بنایا۔ اُسی نے اپنے محبوب ، دانائے غیوب ، مُنَزَّہٌ عن العیوب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی امّت کے اَولیاءِ کرام رَحمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِم کو یہ مرتبہ بخشا کہ اگر وہ اللہ تبارک وتَعَالٰی پر کسی بات کی قسم کھالیں تو رَبِّ کریم جَلَّ جَلَالُہٗ ان کی قسم کو سچا کردے۔ اُسی نے ہمارے مالک وآقا، حضرتِ سیّدنا محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کو اپنا خلیفۂ اعظم اور حبیبِ مکرّم بنایا اور پارہ ۳۰ سورۂ ضحی کی آیت نمبر ۵ میں اِرشاد فرمایا کہ:

وَ لَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى۔

ترجمۂ کنزالایمان: اور بیشک قریب ہے کہ تمہارا رب تمھیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔

سوال: وہ کون لوگ ہیں جن کی شفاعت قبول ہوگی؟

جواب: قرآن کریم نے شفاعت کے ثبوت کو دو اُصولوں میں منحصر رکھا ہے۔ اول قبل از شفاعت اِذنِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ، یعنی کسی کی شفاعت کرنے سے پہلے اجازتِ الٰہی حاصل ہونا۔ دوئم شفیع کا نہایت صادِق و رَاست باز اور پوری، معقول اور ٹھیک بات کہنے والا ہونا۔ احادیثِ کریمہ اور کتبِ عقائد میں منقول ہے کہ اَنبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام و اَولیاء و علماء و شہداء و فقراء رَحمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِم کی شفاعت

مولیٰ کریم اپنے کرم سے قبول فرمائے گا، بلکہ حفاظ، حجاج اور ہر وہ شخص جس کو کوئی منصبِ دِینی عنایت ہوا ،اپنے اپنے متعلّقین کی شفاعت کریں گے بلکہ نابالغ بچّے جو مر گئے ہیں اپنے ماں باپ کی شفاعت کریں گے۔ یہاں تک کہ علماء کے پاس آکر کچھ لوگ عرض کریں گے کہ ہم نے آپ کو فلاں وقت وُضو کے لئے پانی بھر دیا تھا، کوئی کہے گا کہ میں نے آپ کو اِستنجا کیلئے ڈھیلا دیا تھا، اس پر وہ لوگ ان کی شفاعت کریں گے، بلکہ حدیث شریف میں تو یہاں تک ہے کہ مؤمن جب آتشِ دوزخ سے خلاصی پائیں گے تو اپنے اُن بھائیوں کی رِہائی کے لئے جو نارِ دوزخ میں ہوں گے ،اللہ عَزَّوَجَل کی بارگاہ میں شفاعت وسوال میں مبالغہ کریں گے اور اللہ عَزَّوَجَل سے اجازت پاکر مسلمانوں کی کثیر تعداد کو پہچان پہچان کر دَوزخ سے نکالیں گے۔

(الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، ذکر الاخبار عن وصف من یشفع فی القیامۃ۔۔۔الخ، الحدیث:۷۳۳۳،ج۹،ص۲۳۴)

سوال: بارگاہِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ میں سب سے پہلے کون شفاعت کریگا؟

جواب: حضورپُر نور ،شافعِ یومُ النُّشور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ خود اِرشاد فرماتے ہیں:اَنَااَوَّلُ شَافِعٍ وَّاَوَّلُ مُشَفَّعٍ۔(سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب ذکر الشفاعۃ، الحدیث:۴۳۰۸،ج۴،ص۵۲۲)

میں ہی سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور میری شفاعت سب سے پہلے قبول ہو گی۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ جب تک بابِ شفاعت نہ کھولیں گے کسی کو مجالِ شفاعت نہ ہو گی، بلکہ حقیقۃً جتنے شفاعت کرنے والے ہیں سب حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے دربارِ گہر بار میں شفاعت لائیں گے اور اللہ عَزَّوَجَل کی بارگاہ میں مخلوقات میں صرف حضورِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ شفیع ہیں۔(ہمارااسلام، شفاعت کابیان، حصہ ۵، ص ۲۷۲)

سوال:حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی شفاعت کتنی طرح کی ہوگی؟

جواب: حضور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی شفاعت کئی طرح کی ہو گی مثلاً: {۱} شفاعتِ کبریٰ۔ {۲} بہتوں کو بلا حساب جنّت میں داخل فرمائیں گے جن میں سے چار اَرب نوّے کروڑ کی تعداد معلوم ہے اس سے بہت زائد اور بھی ہیں جو اللہ عَزَّوَجَلَّ و رسول صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے علم میں ہیں۔ {۳} بہت سے وہ ہوں گے جو مستحق جہنم ہو چکے ہوں گے اُن کو جہنم سے بچائیں گے۔ {۴} بعضوں کی شفاعت فرما کر جَہنَّم سے نکالیں گے۔ {۵} بعضوں کے دَرَجات بلند فرمائیں گے۔ {۶} بعض کا عذاب کم کروائیں گے۔ {۷} جن کی نیکیاں اور گناہ برابر ہوں گے اُنہیں بھی داخلِ جنت فرمائیں گے۔

(بہار شریعت، عقائد متعلقہ نبوّت، حصہ ۱، ج ۱، ص ۷۰ و ہمارا اسلام، شفاعت کا بیان، حصہ ۵، ص ۲۷۳)

اور حدیث میں آیا: "میری شفاعت میری امت کے اہلِ کبائر کے لئے ہے"۔

(منح الروض الازہر ص ۱۷۰)

سوال: شفاعتِ کبریٰ کیا ہے؟

جواب: حضورِ اقدس، نورِ مجسم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی وہ شفاعت جو تمام مخلوق مؤمن، کافر، فرمانبردار، نافرمان، موافق، مخالف، دوست اور دشمن سب کیلئے ہو گی وہ حساب کا انتظار جو انتہائی جاں گُزا ہو گا جس کے لئے لوگ تمنّائیں کریں گے کہ کاش ہم جَہنم میں پھینک دئے جاتے اور اس انتظار سے نجات پاتے، اس بلا سے کفّار کو بھی چھٹکارا حضور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی بدولت ملے گا، جس پر تمام اوّلین و آخرین، موافقین و مخالفین، مؤمنین و کافرین سب حضور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی حمد کریں گے، اسی کا نام "مَقَامِ محمود" ہے اور یہ مرتبۂ شفاعتِ کبریٰ صرف حضور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ ہی کا خاصہ ہے۔ (ہمارا اسلام، شفاعت کا بیان، حصہ ۵، ص ۲۷۴)

سوال: وہ شخص کیسا ہے جو شفاعت کا انکار کرے؟

جواب: چونکہ بے شمار آیات و احادیث اور اِجماعِ امّت سے شفاعت ثابت ہے، لٰہذا اس کا انکار وہی کرے گا جو گمراہ ہے یا یہ کہہ دینا کہ کوئی کسی کا وکیل و سفارشی نہیں قرآن و حدیث کی صریح مخالفت ہے بلکہ خدا اور سول عَزَّوَجَلَّ وصَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ پر بہتان باندھنا اور نئی شریعت گھڑنا ہے۔

(ہمارا اسلام، شفاعت کا بیان، حصہ ۵، ص ۲۷۴ ملتقطا)

سوال: میزان کیا ہے؟

جواب: میزان ایک ترازو ہے، اور اس کا ہونا حق ہے۔ قیامت کے دن اس پر لوگوں کے اعمال نیک و بد تولے جائیں گے، نیکی کا پلّہ بھاری ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اوپر اُٹھے، دنیا کا سا معاملہ نہیں کہ جو بھاری ہوتا ہے نیچے کو جھکتا ہے۔ اس کا بیان پارہ ۸ سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۸ اور ۹ میں موجود ہے چنانچہ:

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔

ترجمہ کنز الایمان: اور اس دن تول ضرور ہونی ہے تو جن کے پلے بھاری ہوئے وہی مراد کو پہنچے۔

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ(۹)

ترجمہ کنز الایمان: اور جن کے پلّے ہلکے ہوئے، تو وہی ہیں جنہوں نے اپنی جان گھاٹے میں ڈالی ان زیادتیوں کا بدلہ جو ہماری آیتوں پر کرتے تھے۔

صدر الافاضل حضرت نعیم الدین مرادآبادی آیت نمبر ۸ کے تحت لکھتے ہیں: اس طرح کہ اللہ عزّوجلّ ایک میزان قائم فرمائے گا جس کا ہر ایک پلّہ اتنی وُسعت رکھے گا جیسی مشرق و مغرب کے درمیان وُسعت ہے۔ ابنِ جوزی نے کہا کہ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ الصلٰوۃ والسلام نے بارگاہِ الٰہی میں میزان دیکھنے کی درخواست کی جب میزان دکھائی گئی اور آپ نے اس کے پلّوں کی وُسعت دیکھی تو عرض کیا یاربّ کس کا مقدور ہے کہ ان کو نیکیوں سے بھر سکے ارشاد ہوا کہ اے داؤد میں جب اپنے بندوں سے

راضی ہوتا ہوں تو ایک کھجور سے اس کو بھر دیتا ہوں یعنی تھوڑی نیکی بھی مقبول ہو جائے تو فضلِ الٰہی سے اتنی بڑھ جاتی ہے کہ میزان کو بھر دے۔

سوال: کیا قیامت کے دن بندوں کے اعمال کا حساب ہوگا؟

جواب: جی ہاں! قیامت کے دن بندوں کے اعمال کا حساب ہونا حق ہے، حساب کا منکر کافر ہے، اور اس کا بیان پارہ ۱۵ سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۱۳ میں ہوا:

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓىٕرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖؕ وَ نُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ كِتٰبًا یَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا۔

ترجمۂ کنزالایمان: اور ہر انسان کی قسمت ہم نے اس کے گلے سے لگادی ہے، اور اس کے لئے قیامت کے دن ایک نَوِشتہ (تحریر) نکالیں گے جسے کھلا ہوا پائے گا۔

("منح الروض الأزهر" للقاري، فصل في المرض والموت والقيامة، ص ۱۹۵)،

کسی سے تو اس طرح حساب لیا جائے گا کہ خُفیۃً اُس سے پوچھا جائے گا: تونے یہ کیا اور یہ کیا؟ اور کسی سے سختی کے ساتھ ایک ایک بات کی بازپرس ہوگی۔

اور جس کسی نے اس دنیوی زندگی میں دوسروں پر زیادتیاں کی ہوں گی اس ظالم کی نیکیاں مظلوم کو دی جائیں گی، اور اگر ظالم کی نیکیاں نہ ہوں یا ختم ہو جانے کی صورت میں مظلوم کے گناہ ظالم پر ڈالے جائیں گے، اور اس طرح اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

حضرت سیِّدُنا سُلَیمان طَبرانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی اپنے مجموعۂ حدیث، "طَبَرانی" میں نَقْل کرتے ہیں: سرکارِ مدینۂ منوّرہ، سردارِ مکّۂ مکرّمہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا جس کا مفہوم ہے: "ظالم کی نیکیاں مظلوم کو، مظلوم کے گناہ ظالم کو دلوائے جائیں گے۔

(اَلْمُعْجَمُ الْکَبِیر ج ۴ ص ۱۴۸ حدیث ۳۹۶۹ داراحیاء التراث العربی بیروت ملتقطاً)

سوال: کیا حوضِ کا وجود ہے؟ اور اس کے اوصاف کیا ہیں؟

جواب: حوضِ کوثر کہ نبی صلی اللہ تَعَالٰی علیہ وسلم کو مرحمت ہوا، حق ہے۔(۱) اِس حوض کی مسافت ایک مہینہ کی راہ ہے(۲) اس کے کناروں پر موتی کے قُبّے ہیں(۳) چاروں گوشے برابر یعنی زاویے قائمہ ہیں(۴) اس کی مٹی نہایت خوشبودار مشک کی ہے(۵)، اس کا پانی دُودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھا(۶) اور مشک سے زیادہ پاکیزہ(۷) اور اس پر برتن ستاروں سے بھی گنتی میں زیادہ(۸) جو اس کا پانی پیے گا کبھی پیاسا نہ ہوگا(۹) اس میں جنت سے دو پرنالے ہر وقت گرتے ہیں، ایک سونے کا، دوسرا چاندی کا۔

اور اللہ تَعَالٰی پارہ ۳۰ سورۂ کوثر کی آیت نمبر ۱ میں ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّاۤ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَؕ

ترجمۂ کنز الایمان: اے محبوب بے شک ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں۔

اس آیت کے تحت صدر الافاضل حضرت نعیم الدین مرادآبادی لکھتے ہیں: اور فضائلِ کثیرہ عنایت کرکے تمام خَلق پر افضل کیا، حسنِ ظاہر بھی دیا، حسنِ باطن بھی، نسبِ عالی بھی، نبوّت بھی، کتاب بھی، حکمت بھی، علم بھی، شفاعت بھی، حوضِ کوثر بھی، مقامِ محمود بھی، کثرتِ امّت بھی، اعدائے دِین پر غلبہ بھی، کثرتِ فتوحات بھی اور بے شمار نعمتیں اور فضیلتیں جن کی نہایت نہیں۔

جنّت کی کیاری:

حضور نبیِّ پاک، صاحبِ لولاک، سیّاحِ افلاک صلَّی اللہ تَعَالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ رحمت نشان ہے: ''جس نے میرے قبر میں جانے کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے میری حیات میں میری زیارت کی، اور جو حرمینِ طیبین میں سے کسی حرم میں مراوہ بروزِ قیامت امن والوں میں اٹھایا جائے گا، اور بے شک میری قبر اور میرے منبر کی درمیانی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔''

(صحیح البخاری، کتاب فضل الصلاۃ فی مسجد مکۃ والمدینۃ، باب فضل مابین القبر والمنبر، الحدیث ۱۱۹۵، ص ۹۳) (سنن الدار قطنی، کتاب الحج، باب المواقیت، الحدیث ۲۶۶۸، ج ۲، ص ۳۵۱)

21: اَلْجَنَّۃُ وَ النَّارُ لَا تَفْنِیَانِ:

وَ الْجَنَّۃُ وَ النَّارُ مَخْلُوْقَتَانِ الْیَوْمَ لَا تَفْنِیَانِ اَبَداً، وَ اللہُ تَعَالٰی یَھْدِی مَنْ یَّشَاءُ فَضْلاً مِّنْہُ وَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَاءُ عَدْلاً مِنْہُ، وَ اِضْلَالُہٗ خَذْلَانُہٗ، وَ تَفْسِیْرُ الْخَذْلَانِ اَنْ لَا یُوَفِّقَ الْعَبْدَ اِلٰی مَا یَرْضَاہُ مِنْہُ، وَہُوَ عَدْلٌ مِنْہُ وَ کَذَا عُقُوْبَۃُ الْمَخْذُوْلِ عَلَی الْمَعْصِیَۃِ۔

ترجمہ: جنت اور جہنم کی آگ اللہ تَعَالٰی کی دو ایسی مخلوق ہیں جو آج بھی موجود ہیں، اور کبھی فنا نہیں ہوں گی، اور اللہ تَعَالٰی جسے چاہتا ہے اپنے فضل و کرم سے ہدایت عطا فرماتا ہے، اور جسے چاہتا ہے اپنے عدل سے گمراہ کر دیتا ہے، اور اللہ تَعَالٰی کا کسی کو گمراہ کرنے سے مراد اسے چھوڑ دینا ہے، اور چھوڑ دینے کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تَعَالٰی بندے کو ایسے کام کرنے کی توفیق عطا نہیں فرماتا جن کے ذریعہ وہ اس سے راضی ہوتا ہے، اور ایسا کرنا اس کا عدل ہے، اور ایسے ہی چھوڑے ہوئے شخص کو گناہ کی بنا پر سزا دینا۔ (عین انصاف ہے)

سوال: "وَ الْجَنَّۃُ وَ النَّارُ مَخْلُوْقَتَانِ الْیَوْمَ" سے کیا بتانا چاہتے ہیں؟

جواب: اس عبارت سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جنت اور جہنم حق ہیں، ان کے ثبوت پر بے شمار آیات و احادیث دال ہیں، اور فلاسفہ نے ان کا انکار کیا ہے۔ اور اہلِ سنت و جماعت کے نزدیک یہ دونوں پیدا کی جاچکی ہیں، جبکہ اکثر معتزلہ کا کہنا ہے کہ یہ دونوں ابھی پیدا نہیں ہوئیں بلکہ قیامت کے دن پیدا کی جائیں گی، لیکن ہماری دلیل قرآن کی وہ آیات ہیں جن میں بصیغۂ ماضی ان کو بیان کیا گیا ہے جیسے پارہ ۱ سورۂ بقرۃ کی آیت نمبر ۲۴ میں ارشادِ باری تَعَالٰی ہے:

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَ قُوْدُھَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَۃُ ۚۖ اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ۔

ترجمہ کنزالایمان: پھر اگر نہ لا سکو اور ہم فرمائے دیتے ہیں کہ ہر گز نہ لا سکو گے تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، تیار رکھی ہے کافروں کے لئے۔

نیز سورۂ بقرۃ کی آیت نمبر ۳۵ میں ارشاد ہوا:

وَ قُلْنَا یٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا۪-وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔

ترجمہ کنزالایمان: اور ہم نے فرمایا اے آدم تو اور تیری بی بی اس جنت میں رہو اور کھاؤ اس میں سے بے روک ٹوک جہاں تمہارا جی چاہے مگر اس پیڑ کے پاس نہ جانا کہ حد سے بڑھنے والوں میں ہو جاؤ گے۔

سوال: جنت وجہنم کا انکار کرنا کیسا ہے؟

جواب: جنت و جہنم کا انکار کرنا کفر ہے، یونہی یہ کہنا کہ نہ دوزخ میں سانپ، بچھو اور زنجیریں ہیں، اور نہ وہ عذاب، جن کا ذکر مسلمانوں میں رائج ہے، نہ دوزخ کا کوئی وجود خارجی ہے بلکہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے جو کلفت (تکلیف) روح کو ہوئی تھی بس اسی روحانی اذیت کا اعلیٰ درجہ پر محسوس ہونا اسی کا نام دوزخ اور جہنم ہیں یہ سب کفر قطعی ہے۔ یونہی یہ سمجھنا کہ نہ جنت میں میوے ہیں نہ باغ، نہ محل ہیں، نہ نہریں ہیں، نہ حوریں ہیں، نہ غلمان ہیں، نہ جنت کا کوئی وجودِ خارجی ہے بلکہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی جو راحت روح کو ہوئی تھی بس اسی روحانی راحت کا اعلیٰ درجہ پر حاصل، ہونا اسی کا نام جنت ہے۔ یہ بھی قطعًا کفر ہے۔ یونہی یہ کہنا کہ اللہ عزوجل نے قرآن عظیم میں جن فرشتوں کا ذکر فرمایا ہے، نہ ان کا کوئی اصل وجود ہے، نہ ان کا موجود ہونا ممکن ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہر مخلوق میں جو مختلف قسم کی قوتیں رکھی ہیں جیسے پہاڑوں کی سختی، پانی کی روانی، نباتات کی فراوانی، بس انہیں قوتوں کا نام فرشتہ ہے، انسان میں جو نیکی کرنے کی قوتیں ہیں بس وہی اس کے فرشتے ہیں یہ بھی بالقطع والیقین کفر ہے۔

یونہی جن وشیاطین کے وجود کا انکار اور بدی کی قوت کا نام جن یا شیطان رکھنا کفر ہے اور ایسے اقوال کے قائل یقیناکافر اور اسلامی برادری سے خارج ہیں۔

(ماخوذ از اعتقاد الاَحباب فی الجمیل، المعروف دس عقیدے، ص۷۷ تا ص۸۱، مطبوعہ فرید بک اسٹال لاہور)

سوال: کیا جنت وجہنم فنا ہو جائیں گے؟

جواب: نہیں! بلکہ جنت و جہنم دونوں باقی رہیں گی، کبھی فنا نہیں ہوں گی، اور نہ ہی ان میں رہنے والے کبھی فنا ہوں گے، کیونکہ قرآن پاک میں خالدین کے الفاظ کے ساتھ اہلِ ایمان کے جنت اور کفار کے جہنم میں خلود اور دائمی بقا کی خبر دی گئی ہے، نیز کتاب و سنت و اجماعِ امت سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ دونوں ہمیشہ باقی رہیں گی کبھی فنا نہیں ہوں گی۔ جیسے کہ پارہ ۴ سورۂ آلِ عمران کی آیت نمبر ۱۳۶ میں ارشاد ہوا:

اُولٰٓىٕكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ۔

ترجمۂ کنزالایمان: ایسوں کا بدلہ اُن کے رب کی بخشش اور جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہمیشہ ان میں رہیں اور کامیوں (نیک لوگوں) کا کیا اچھا نیگ (بدلہ) ہے۔

اور پارہ ۲ سورۂ بقرۃ کی آیت نمبر ۱۶۲ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۚ لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ۔

ترجمۂ کنزالایمان: ہمیشہ رہیں گے اس میں نہ ان پر سے عذاب ہلکا ہو اور نہ انہیں مہلت دی جائے۔

سوال: ہدایت وگمراہی دینے والا کون ہے؟

جواب: اور اللہ تَعَالیٰ جس کو چاہتا ہے، اپنے فضل و کرم سے اسے ایمان و طاعت کی طرف ہدایت عطا فرماتا ہے، اور اللہ تَعَالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے عدل سے اسے کفر و معصیت کے ذریعہ گمراہ کر دیتا ہے، اور یہ عین عدل کے مطابق ہے۔

سوال: اللہ کا بندے کو گمراہ کرنے سے مراد کیا ہے؟

جواب: اللہ تَعَالیٰ کا گمراہ کرنے سے مراد اس کو چھوڑ دینا ہے اور اس کی مدد نہ کرنا ہے، اور اسی بات کو یوں بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تَعَالیٰ اس بندے کو ایسے اعمال کی توفیق ہی نہیں دیتا جن اعمال سے وہ راضی ہوتا ہے، اور بندے کو چھوڑ دینا اور اس سے راضی نہ ہونا عین عدل ہے، کہ اللہ تَعَالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں۔ اور اس کا بیان قرآنِ پاک کے پارہ ۸ سورۂ انعام کی آیت نمبر ۱۲۵ میں موجود ہے چنانچہ ارشادِ باری تَعَالیٰ ہے:

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۚ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔

ترجمۂ کنزالایمان: اور جسے اللہ راہ دکھانا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہے اس کا سینہ تنگ خوب رکا ہوا کر دیتا ہے گویا کسی کی زبردستی سے آسمان پر چڑھ رہا ہے اللہ یونہی عذاب ڈالتا ہے ایمان نہ لانے والوں کو۔

اس آیت کی تفسیر میں صدر الافاضل حضرت نعیم الدین مرادآبادی لکھتے ہیں: کہ اس میں علم اور دلائلِ توحید و ایمان کی گنجائش نہ ہو تو اس کی ایسی حالت ہوتی ہے کہ جب اس کو ایمان کی دعوت دی جاتی ہے اور اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ اس پر نہایت شاق ہوتا ہے اور اس کو بہت دشوار معلوم ہوتا ہے۔

سوال: کیا اللہ کا بندے کو سزا دینا بھی عدل ہے؟

جواب: جی ہاں! یوں ہی اس سر گرداں، چھوڑے ہوئے شخص کو اس کے برے افعال و اعمال کے سبب، سزا دینا بھی عدل کے عین مطابق ہے، نہ کہ ظلم، بخلاف معتزلہ کے۔

حُرُوفِ تَہَجّی اور شانِ مُصطَفٰی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم

(۲۶)۔۔۔۔۔۔ ''یَاء'' سے مراد یقین ہے جس کے ذریعے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ صلَّی اللہ تَعَالٰی علیہ و آلہ وسلَّم کو تمام جہانوں میں امتیاز عطا فرمایا۔ آپ صلَّی اللہ تَعَالٰی علیہ و آلہ وسلَّم کو انبیاء و مرسلین کا ''خَاتَم'' (یعنی آخری نبی) بنایا اور فضل و فخر کے ساتھ قرآنِ حکیم میں ان کی ذاتِ والا صفات پر یہ آیتِ مبارکہ نازل فرمائی:

(۱) مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ۔ (پ۲۶، الفتح:۲۹)

ترجمۂ کنزالایمان: محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں۔

نبئ کریم، رءُوف رحیم صلَّی اللہ تَعَالٰی علیہ و آلہ وسلَّم کا فرمانِ شفاعت نشان ہے: ''جس نے میری قبرِ اقدس کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گئی۔''

(سنن الدار قطنی، کتاب الحج، باب المواقیت، الحدیث ۲۶۶۹، ج ۲، ص ۳۵۱)

نور کے پیکر، تمام نبیوں کے سَرْوَر، دو جہاں کے تاجْوَر، سلطانِ بَحرو بَر صلَّی اللہ تَعَالٰی علیہ و آلہ وسلَّم کا فرمانِ ہدایت نشان ہے: ''تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف کجاوے نہ باندھے جائیں: (۱)۔۔۔۔۔۔ مسجدِ حرام (۲)۔۔۔۔۔۔ میری مسجد (یعنی مسجد نبوی شریف) اور (۳)۔۔۔۔۔۔ مسجدِ اقصیٰ۔'' (صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فضل المساجد الثلاثۃ، الحدیث ۱۳۹۷، ص ۹۰۹)

وَلَا نَقُوْلُ :اِنَّ الشَّيْطَانَ يَسْلُبُ الْاِيْمَانَ مِنْ عَبْدِهِ الْمُؤْمِنِ قَهْراً وَ جَبْراً. وَ لٰكِنْ نَقُوْلُ الْعَبْدُ يَدَعُ الْاِيْمَانَ. فَاِذَا تَرَكَهٗ فَحِيْنَئِذٍ يَسْلُبُهٗ مِنْهُ الشَّيْطَانُ۔ وَ سُوَالُ مُنْكَرٍ وَ نَكِيْرٍ فِي الْقَبْرِ حَقٌّ. وَاِعَادَةُ الرُّوْحِ اِلَى الْعَبْدِ فِي قَبْرِهٖ حَقٌّ۔

ترجمہ: اور ہم یہ نہیں کہتے کہ شیطان اللہ تعَالیٰ کے مؤمن بندے سے زبردستی ایمان چھین لیتا ہے، لیکن ہم کہتے ہیں کہ بندہ ایمان خود ترک کر دیتا ہے، پس جب بندہ ایمان کو چھوڑ دیتا ہے تو اس وقت شیطان اس سے ایمان چھین لیتا ہے۔ اور قبر میں منکر نکیر کا سوال کرنا حق ہے، اور مردے کی قبر میں مردے کی جانب روح کالوٹایا جانا حق ہے۔

سوال: کیا شیطان بندے سے زبردستی ایمان چھین لیتا ہے؟

جواب: نہیں! اہلِ سنت و الجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ شیطان اللہ تعَالیٰ کے ایماندار بندے سے زبردستی ایمان نہیں چھینتا، کیونکہ پارہ ۱۴ سورۂ حجر کی آیت نمبر ۴۲ میں اللہ تعَالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ۔

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک میرے بندوں پر تیرا کچھ قابو نہیں۔

لیکن ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ جب بندہ اپنے اختیار سے اپنے ایمان کو خود چھوڑ دیتا ہے، اور اپنے ایمان کی سلامتی کی فکر نہیں کرتا ہے، اور گناہوں میں مبتلا ہو کر ایمان کے نور سے محروم ہو جاتا ہے، تو شیطان اس سے ایمان کو اس کے ترک کے سبب چھین لیتا ہے، جیسے کہ پارہ ۱۴ سورۂ حجر کی آیت نمبر ۴۲ میں اللہ تعَالیٰ کا فرمان ہے:

اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِیْنَ۔ **ترجمۂ کنزالایمان:** سوا ان گمراہوں کے جو تیرا ساتھ دیں۔

اور پارہ ۸ سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۱۸ میں ارشاد ہوا:

لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ۔

ترجمہ کنزالایمان: ضرور جو ان میں سے تیرے کہے پر چلا میں تم سب سے جہنم بھر دوں گا۔

سوال: کیا قبر میں سوالات ہوں گے؟ اور قبر سے مراد کیا ہے؟

جواب: قبر میں منکر نکیر کا مردے سے سوالات کرنا حق ہے، اور قبر سے مراد مردے کا ٹھکانا ہے، اب وہ ٹھکانا قبر ہو یا کوئی اور، حدیث میں آیا کہ: وہ تین سوال کریں گے۔ (۱) من ربک (۲) مادینک (۳) من نبیک۔ پس جس نے دنیا میں ایمان والی زندگی گزاری وہ تو قبر میں ثابت قدم رہ کر جوابات دینے میں کامیاب ہو جائے گا، جیسے کہ پارہ ۱۳ سورۂ ابراہیم کی آیت نمبر ۲۷ میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَ يُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَ يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ۔

ترجمہ کنزالایمان: اللہ ثابت رکھتا ہے ایمان والوں کو حق بات پر دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں اور اللہ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے اور اللہ جو چاہے کرے۔

اور جس نے گناہوں میں زندگی بسر کی ہو گی وہ جوابات میں لڑکھڑا جائے گا۔ الامان والحفیظ۔

سوال: قبر میں اعادۂ روح سے کیا مراد ہے؟

جواب: قبر میں اعادۂ روح سے مراد یا تو بعینہٖ روح کو جسم میں لوٹا دینا ہے، یا روح کا جسم کے ساتھ تعلق کو برقرار رکھنا ہے، اور دوسرا قول زیادہ درست ہے، جیسے کہ بہار شریعت جلد۔۱۔ ص ۱۰۰ میں مذکور ہے:

مرنے کے بعد بھی روح کا تعلق بدنِ انسان کے ساتھ باقی رہتا ہے، اگرچہ روح بدن سے جُدا ہو گئی، مگر بدن پر جو گزرے گی رُوح ضرور اُس سے آگاہ و متأثر ہو گی، جس طرح حیاتِ دنیا میں ہوتی ہے، بلکہ اُس سے زائد۔ دنیا میں ٹھنڈا پانی، سرد ہَوا، نرم فرش، لذیذ کھانا، سب باتیں جسم پر وارِد ہوتی ہیں، مگر راحت ولذّت روح کو پہنچتی ہے اور ان کے عکس بھی جسم ہی پر وارِد ہوتے ہیں اور کُلفت و اذیّت روح پاتی ہے، اور روح کے لئے خاص اپنی راحت واَلَم کے الگ اسباب ہیں، جن سے سرور یا غم پیدا ہوتا ہے، بعینہٖ یہی سب حالتیں برزخ میں ہیں۔("منح الروض الأزہر"، ص ۱۰۰۔۱۰۱)

اور عذابِ قبر و تنعیمِ قبر جسم وروح دونوں پر ہوتا ہے، جسم اگرچہ گل جائے، جل جائے، خاک ہو جائے، مگر اس کے اجزائے اصلیہ قیامت تک باقی رہیں گے، اور وہی موردِ عذاب و ثواب ہوں گے، اور وہ عجب الذنب ہے۔

سوال: روح دوسرے بدن میں چلی جاتی ہے، ایسا ماننا کیسا ہے؟

جواب: یہ خیال کہ وہ روح کسی دوسرے بدن میں چلی جاتی ہے، خواہ وہ آدمی کا بدن ہو یا کسی اور جانور کا جس کو تناسخ اور آواگون کہتے ہیں، محض باطل اور اُس کا ماننا کفر ہے۔("النبراس"، باب البعث حق، ص ۲۱۳)

سوال: کیا موت کے واقع ہونے سے روح مر جاتی ہے؟

جواب: موت کے معنی روح کا جسم سے جدا ہو جانا ہے، نہ یہ کہ روح مر جاتی ہے، جو روح کو فنا مانے، بدمذہب ہے۔("الفتاوی الرضویۃ"، ج ۹، ص ۶۵۷، ۶۴۳۔۷۴۴، ۸۴۳، ج ۲۹، ص ۱۰۳)

بداخلاقی کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: "بے شک فحش گوئی اور بداخلاقی کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں اور لوگوں میں سب سے اچھا اسلام اس شخص کا ہے جو سب سے اچھے اخلاق والا ہے۔"

(المسند للامام احمد بن حنبل، الحدیث: ۲۰۹۹۷، ج ۷، ص ۴۳۱)(جہنم میں لے جانے والے اعمال ج ۱ ص ۳۸۷)

22: عَذَابُ الْقَبْرِ:

وَضَغْطَةُ الْقَبْرِ حَقٌّ، وَعَذَابُهُ حَقٌّ كَائِنٌ لِلْكُفَّارِ كُلِّهِمْ وَلِبَعْضِ الْمُسْلِمِيْنَ، وَكُلُّ مَا ذَكَرَهُ الْعُلَمَاءُ بِالْفَارِسِيَّةِ مِنْ صِفَاتِ اللهِ تَعَالىٰ عَزَّتْ اَسْمَآؤُهٗ وَتَعَالىٰ تَ صِفَاتُهٗ فَجَائِزٌ، اَلْقَوْلُ بِهٖ سِوَى الْيَدِ بِالْفَارِسِيّةِ، وَيَجُوْزُ اَنْ يُّقَالَ: بَرُوْيِ خُدَا، بِلَا تَشْبِيْهٍ وَلَا كَيْفِيَّةٍ۔

ترجمہ: اور قبر کا مردے کو دبانا حق ہے، اور قبر کا عذاب حق ہے، تمام کفار اور بعض مسلمانوں کو (عذاب) ہوتا ہے۔ اور اللہ کی وہ تمام صفات جن کا ذکر علمانے فارسی زبان میں کیا ہے، اللہ کے اسماء عزت والے اور اس کی صفات بلند تر ہیں، ان کے ذریعہ گفتگو کرنا جائز ہے، سوائے فارسی میں ہاتھ کے، اور اللہ کے روئے مبارک کی قسم، بغیر کسی تشبیہ اور کیفیت کے کہنا جائز ہے۔

سوال: کیا قبر مردے کو دباتی ہے؟

جواب: جب مردہ کو قبر میں دفن کرتے ہیں، اُس وقت اُس کو قبر دباتی ہے۔ اگر وہ مسلمان ہے تو اُس کا دبانا ایسا ہوتا ہے کہ جیسے ماں پیار میں اپنے بچّے کو زور سے چپٹا لیتی ہے، اور اگر کافر ہے تو اُس کو اِس زور سے دباتی ہے کہ اِدھر کی پسلیاں اُدھر اور اُدھر کی اِدھر ہو جاتی ہیں۔

("المسند" لِلامام أحمد بن حنبل، الحدیث: ۲۴۲۸۳، ج ۹، ص ۳۵۲)

سوال: کیا مردے کو قبر میں عذاب ہوتا ہے؟

جواب: جی ہاں! عذابِ قبر حق ہے، اور یہ عذاب کفار میں سے سب کو اور عُصاۃ (گنہگار مؤمن) میں بعض پر عذاب بھی ہو گا ان کی معصیت کے لائق، پھر اُس کے پیرانِ عظام یا مذہب کے امام یا اور اولیائے کرام کی شفاعت یا محض رحمت سے جب وہ چاہے گا، نجات پائیں گے، اور بعض نے کہا کہ مؤمن عاصی پر عذابِ قبر شبِ جمعہ آنے تک ہے، اس کے آتے ہی اٹھا لیا جائے گا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

("منح الروض الأزہر شرح فقہ الأکبر"، ص ۱۰۲)

ہاں! یہ حدیث سے ثابت ہے کہ جو مسلمان شبِ جمعہ یا روزِ جمعہ یا رمضان مبارک کے کسی دن رات میں مرے گا، سوالِ نکیرین وعذابِ قبر سے محفوظ رہے گا۔

("المسند" لِلإمام أحمد بن حنبل، الحدیث: ۷۰۷۰، ج ۲، ص ۶۸۴.)

سوال: "وَ کُلُّ مَا ذَکَرَہُ الْعُلَمَاءُ بِالْفَارِسِیَّۃِ مِنْ صِفَاتِ اللّٰہِ تَعَالیٰ" اس عبارت سے کیا بتانا چاہتے ہیں؟

جواب: اس عبارت سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ علمانے فارسی زبان میں جو اللہ تَعَالیٰ کی صفاتِ متشابہ جیسے چہرہ، قدم، آنکھ وغیرہ کا ذکر کیا ہے، تو ان کے ذریعہ گفتگو کرنا جائز ہے، اور یہ بھی ذہن میں ہو کہ اللہ تَعَالیٰ کے اسماء اَفہام پر غالب، اور اس کی صفات اَوہام سے مرتفع ہیں، ہاں لفظِ ید کو فارسی زبان میں استعمال نہیں کیا جائے گا، کہ لفظِ ید کو فارسی زبان میں تعبیر کرنا جائز نہیں ہے۔

("منح الروض الأزہر شرح فقہ الأکبر"، ص ۱۸۸)

سوال: فارسی زبان میں بروئے خدا (اللہ کے چہرے کی قسم) کہنا کیسا ہے؟

جواب: فارسی میں بروئے خدا یعنی اللہ کے چہرۂ مبارک کی قسم کہنا جائز ہے، مگر اس کی کسی چیز سے تشبیہ نہیں دے سکتے، اور نہ ہی کیفیت بیان کی جائے گی، کہ تشبیہ و کیفیت بیان کرنا ممنوع ہے کہ اس سے اللہ تَعَالیٰ کے لئے جسم ثابت ہو گا جو کہ کفر ہے۔

اسلام کس لئے آیا؟

اسلام پانچ چیزوں کی محافظت کے لئے آیا ہے۔ (۱) دین (۲) جان (۳) مال (۴) نسب (۵) عقل۔

23: مَعْنَى الْقُرْبِ وَالْبُعْدِ:

وَ لَيْسَ قُرْبُ اللهِ تَعَالىٰ وَ لَا بُعْدُهٗ مِنْ طَرِيْقِ طُوْلِ الْمَسَافَةِ وَ قَصْرِهَا ،وَلَا عَلىٰ مَعْنَى الْكَرَامَةِ وَ الْهَوَانِ، وَ لٰكِنَّ الْمُطِيْعَ قَرِيْبٌ مِّنْهُ بِلَا كَيْفٍ، وَ الْعَاصِىْ بَعِيْدٌ عَنْهُ بِلَا كَيْفٍ، وَ الْقُرْبُ وَ الْبُعْدُ وَ الْاِقْبَالُ يَقَعُ عَلَى الْمُنَاجِىْ، وَكَذٰلِكَ جِوَارُهٗ فِى الْجَنَّةِ وَ الْوُقُوْفُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِلَا كَيْفٍ۔

ترجمہ: اور اللہ تَعَالیٰ کے قریب ہونے اور دور ہونے سے فاصلوں کی دوری یا نزدیکی مراد نہیں ہے، اور نہ ہی عزت و اہانت کے معنی کے طور پر (مراد) ہے، اور لیکن اطاعت گزار اللہ تَعَالیٰ سے قریب ہوتا ہے، (مگر ہمیں اس کی) کیفیت معلوم نہیں، اور گنہگار اللہ تَعَالیٰ سے دور ہوتا ہے، (مگر ہمیں اس کی) کیفیت معلوم نہیں، اور قریب ہونے اور دور ہونے اور متوجہ ہونا (جیسے امور کا اعتبار اللہ کے حضور) مناجات کرنے والے بندے کے اعتبار سے ہوتا ہے، اور ایسے ہی جنت میں اللہ کے جوار (پڑوس میں) ہونا، اور اللہ کے حضور کھڑے ہونے سے بھی یہی مراد ہے، مگر ہم ان کی کیفیت نہیں جانتے۔

سوال: اللہ تَعَالیٰ کا بندوں سے قریب و بعید ہونے سے مراد کیا ہے؟

جواب: اللہ تَعَالیٰ کا اربابِ طاعت سے قریب ہونا اور اصحابِ معصیت سے دور ہونا جیسے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تَعَالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تَعَالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا کہ سخی اللہ سے قریب ہے، جنت سے قریب ہے، لوگوں سے قریب ہے، لیکن جہنم سے دور ہے اور بخیل اللہ عزوجل سے دور ہے، جنت سے دور ہے، لوگوں سے دور ہے، لیکن جہنم سے قریب ہے اور سخی جاہل، بخیل عابد سے اللہ تَعَالیٰ کو زیادہ پسند ہے۔

(سنن الترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی السخاء، الحدیث:۱۹۶۸، ج۳، ص۳۸۷)

پس اس قرب وبعد سے مراد لفظی قرب وبعد نہیں ہے، اور نہ ہی حسی قرب وبعد ہے، کہ ان کے لئے ایک حد ہے اور اللہ تعالیٰ کی کوئی حد نہیں، بلکہ مراد معنوی قرب وبعد ہے جیسے کہ پارہ ۸ سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۵۶ میں ارشاد ہوا:

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ۔

ترجمۂ کنز الایمان: بے شک اللہ کی رحمت نیکوں سے قریب ہے۔

اور امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے قرب اللہ اور بعد اللہ کو متشابہ کے باب سے بتایا ہے، اسی لئے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: نہ ہی قرب کا معنیٰ کرامت واحسان، اور بعد کا معنیٰ ذلت وخواری ہے، نیز اسی وجہ سے آپ نے فرمایا کہ: فرمانبردار اللہ تعالیٰ سے قریب ہے، لیکن ہمیں اس کی کیفیت معلوم نہیں ہے، اور گنہگار اللہ سے دور ہے لیکن اس کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں ہے۔

سوال: "وَالْقُرْبُ وَالْبُعْدُ وَالْاِقْبَالُ یَقَعُ عَلَی الْمُنَاجِیْ" اس عبارت سے کیا بتانا چاہتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی قربت ودوری اور توجہ واعراض کے حوالے سے فاصلوں اور جہات کا تعلق خود اللہ تعالیٰ کی ذات سے نہیں بلکہ اس کا تعلق بندوں سے ہے، اور ایسے ہی جنت میں اللہ تعالیٰ کے جوار میں رہنے، اور قیامت کے دن اللہ کے حضور کھڑے ہونے کا تعلق بھی بندوں سے ہے، نہ کہ اللہ تعالیٰ سے۔

غم دور ہونے اور عقل بڑھنے کا نسخہ

حضرت امام محمد بن ادریس شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو اپنا لباس صاف رکھے اس کے غم کم ہو جائیں گے اور جو خشبو لگائے اس کی عقل میں اضافہ ہو گا۔ (احیاء العلوم ج۱ ص۵۶۱)

24: اَلْقَوْلُ فِی تَفَاضُلِ آیَاتِ الْقُرْآنِ:

وَ الْقُرْآنُ مُنَزَّلٌ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ، وَ ھُوَ فِی الْمُصْحَفِ مَکْتُوْبٌ.وَ آیَاتُ الْقُرْآنِ کُلُّھَا فِی مَعْنَی الْکَلَامِ مُسْتَوِیَۃٌ فِی الْفَضِیْلَۃِ وَ الْعَظَمَۃِ اِلَّا اَنَّ لِبَعْضِھَا فَضِیْلَۃَ الذِّکْرِ وَ فَضِیْلَۃَ الْمَذْکُوْرِ. مِثْلُ آیَۃِ الْکُرْسِیِّ. لِاَنَّ الْمَذْکُوْرَ فِیْھَا جَلَالُ اللہِ تَعَالٰی وَ عَظَمَتُہٗ وَ صِفَتُہٗ. فَاجْتَمَعَتْ فِیْھَا فَضِیْلَتَانِ فَضِیْلَۃُ الذِّکْرِ وَ فَضِیْلَۃُ الْمَذْکُوْرِ. وَ فِی صِفَۃِ الْکُفَّارِ فَضِیْلَۃُ الذِّکْرِ فَحَسْبُ. وَ لَیْسَ فِی الْمَذْکُوْرِ وَ ھُمُ الْکُفَّارُ فَضِیْلَۃٌ.وَ کَذٰلِکَ الْاَسْمَاءُ وَ الصِّفَاتُ کُلُّھَا مُسْتَوِیَۃٌ فِی الْفَضِیْلَۃِ وَ الْعَظَمَۃِ لَا تَفَاوُتَ بَیْنَھُمَا.۔ وَ اَبُوْ طَالِبٍ عَمُّہٗ مَاتَ کَافِراً۔

ترجمہ: اور قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ہوا ہے، اور وہ مصحف میں لکھا ہوا ہے، اور قرآن پاک کی تمام آیات کلام اللہ ہونے کی بنا پر فضیلت و عظمت میں برابر ہیں، مگر بعض آیات کے لئے ذکر کی فضیلت اور مذکور کی فضیلت ہے، جیسے کہ آیۃ الکرسی، اس لئے کہ اس میں اللہ کا جلال، اس کی عظمت اور اس کی صفت مذکور ہے، پس آیۃ الکرسی میں دو فضیلتیں جمع ہو گئیں، ایک ذکر کی فضیلت، اور دوسری مذکور کی فضیلت، (جبکہ بعض وہ آیات) جن میں کفار کا بیان ہے (ان میں) صرف ذکر (کلام اللہ ہونے) کی فضیلت ہے، اور مذکور جو کہ کفار ہیں ان میں کوئی فضیلت نہیں، اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ کے تمام نام اور صفات فضیلت و عظمت میں برابر ہیں، ان کے مابین کوئی فرق نہیں ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کفر کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

سوال: کیا قرآن کی تمام آیات فضیلت میں برابر ہیں؟

جواب: قرآن مجید جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ۲۳ سال کے عرصے میں نازل ہوا، اور جو مصحف میں لکھا ہوا ہے، اس کی تمام آیات کلام اللہ ہونے کے اعتبار سے فضیلت لفظیہ اور عظمت معنویہ میں برابر ہیں، چاہے وہ آیات رحمت الٰہی، مدح اولیاء، غضب الٰہی، مذمت اعداء یا احکام پر دلالت کریں۔

مگر بعض آیات میں باعتبار مَبنیٰ ذکر کی فضیلت اور باعتبار معنیٰ مذکور کی فضیلت ہے، جیسے کہ آیۃ الکرسی، کہ اس میں اللہ کی ہیبت و جلالت اور اس کی ذات کی خاص صفات کا بیان ہے، پس ایک تو کلام اللہ ہونے اور دوسرے اس کی صفات کا بیان ہونے کے اعتبار سے دو فضیلتیں ہیں۔

اور رہیں وہ آیات جن میں کفار و فجار کے احوال مذکور ہیں، تو ان میں صرف ایک ہی فضیلت ہے اور وہ کلام اللہ ہونے کی ہے، اور مذکور کے اعتبار سے کوئی فضیلت نہیں کیونکہ کفار و فجار جن کا ذکر ہوا ہے ان میں کوئی فضیلت و عظمت نہیں، جیسے کہ پارہ ۳۰ میں موجود سورہ لہب وغیرہ۔

سوال: کیا اللّٰہ تعالیٰ کے اسماء کے مابین فرق ہے؟

جواب: اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ کے نام جیسے احد، صمد، مالک، واحد، فرد اور اس کی صفات جیسے لہ الملک، لہ الحمد، لہ الکبریاء، لہ المجد، تمام کے تمام باعتبار مَبنیٰ فضیلت میں اور باعتبار معنیٰ عظمت میں برابر ہیں، ان کے مابین کوئی فرق نہیں۔

سوال: ایمان ابو طالب کے متعلق کیا حکم ہے؟

جواب: ایمان ابو طالب کے متعلق بڑی بحثیں کی جاتی ہیں، مگر امام اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کو کافر قرار دیا ہے، اور اعلیٰ حضرت نے بھی اس بات کو دلائل سے ثابت فرمایا ہے، چنانچہ فتاویٰ رضویہ جلد ۲۹ ص ۱۴۴ میں نقل فرماتے ہیں:

”جس سے اقرار اسلام کا مطالبہ کیا جائے اور وہ اقرار نہ کرنے پر اصرار رکھے تو وہ بالاتفاق کافر ہے، کہ یہ دل میں تصدیق نہ ہونے کی علامت ہے، اسی واسطے تمام علماء نے کفر ابی طالب پر اجماع کیا ہے“۔

اور ملا علی قاری نے مرقاۃ المفاتیح میں فرمایا: اہل سنت کے نزدیک ابو طالب مسلمان نہیں۔ مزید اس کی تفصیل فتاویٰ رضویہ جلد ۲۹ میں ملاحظہ فرمائیں۔

پانچ باتوں کو غنیمت جانو:

بعض بزرگوں نے فرمایا: "اپنی زندگی میں پانچ چیزوں کو غنیمت جانو۔

(۱) اگر موجود رہو تو پہچانے نہ جاؤ۔

(۲) اگر غائب رہو تو تلاش نہ کئے جاؤ۔

(۳) اگر حاضر رہو تو تم سے مشورہ نہ کیا جائے۔

(۴) اگر تم کوئی بات کہو تو اس کو قبول نہ کیا جائے۔

(۵) اگر تم کوئی اچھا عمل کر بیٹھو تو خود پسندی میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔

مزید پانچ چیزوں کی وصیت کرتے ہیں۔

(۱) اگر تم پر ظلم ہو تو تم ظلم نہ کرو۔

(۲) اگر تمہاری تعریف کی جائے تو تم خوش نہ ہو۔

(۳) اگر تمہاری برائی بیان کی جائے تو تم پریشان نہ ہو۔

(۴) اگر تمہیں جھٹلایا جائے تو تم غصے میں نہ آؤ۔

(۵) اگر تمہارے ساتھ خیانت ہو جائے تو تم خیانت نہ کرو۔" (آنسوں کا دریا ص ۲۷۵)

25: اَبْنَاءُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ وَبَنَاتِہٖ:

وَ قَاسِمٌ وَ طَاہِرٌ وَ اِبْرَاہِیْمُ کَانُوْا بَنِی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ وَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ۔ وَ فَاطِمَۃُ وَ زَیْنَبُ وَ رُقَیَّۃُ وَ اُمُّ کُلْثُوْمٍ کُنَّ جَمِیْعاً بَنَاتُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ وَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُنَّ۔

ترجمہ: اور قاسم وطاہر وابراہیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ہیں، اور فاطمہ ورقیہ وزینب وام کلثوم سب کی سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں ہیں۔

سوال: رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے کتنے شہزادے ہیں؟اوران کے نام کیاہیں؟

جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین صاحبزادے ہیں۔(۱) حضرت قاسم۔(۲) حضرت عبد اللہ جن کا لقب طیب و طاہر ہے، یہ دونوں شہزادے حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے ہیں۔(۳) حضرت ابراہیم، ان کی والدہ حضرت ماریہ خاتون ہیں۔

سوال: رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی کتنی صاحبزادیاں ہیں؟اوران کے نام کیاہیں؟

جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں ہیں، اور چاروں حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے ہیں،(۱) حضرت زینب، جو حضرت قاسم سے چھوٹی اور باقی سب اولاد سے بڑی ہیں، ان کا نکاح مکہ ہی میں ابو العاص بن الربیع سے ہوا تھا جنہوں نے جنگ بدر کے بعد اسلام قبول کیا۔(۲) حضرت رقیہ، یہ حضرت زینب سے چھوٹی ہیں،(۳) حضرت ام کلثوم، یہ حضرت رقیہ سے چھوٹی ہیں، ان دونوں کا نکاح یک

بعد دیگرے حضرت عثمان غنی سے ہوا۔ (۴) حضرت فاطمہ، یہ حضرت ام کلثوم سے چھوٹی ہیں، ان کا نکاح حضرت علی المرتضیٰ سے ہوا۔

عرشِ الٰہی کا سایہ کس کو ملے گا؟

حضرت سیّدُنا ابوہریرہ اور حضرت سیّدُنا ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک، صاحبِ لَوْلاک، سیّاحِ اَفلاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمان عالیشان ہے: "اللہ عَزَّوَجَلَّ سات اشخاص کو اپنے عرش کے سائے میں جگہ عطا فرمائے گا جس دن اللہ عَزَّوَجَلَّ کے عرش کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہو گا۔

(۱) عادل حکمران
(۲) وہ نوجوان جس کی جوانی عبادتِ الٰہی میں گزری
(۳) وہ شخص جس کا دل مسجد سے نکلتے وقت مسجد میں لگا رہے حتی کہ واپس لوٹ آئے
(۴) وہ دو شخص جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے محبت کرتے ہوئے جمع ہوئے اور محبت کرتے ہوئے جدا ہو گئے
(۵) وہ شخص جو خلوت میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر کرتا ہو اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلیں
(۶) وہ شخص جسے کوئی مال و جمال والی عورت گناہ کیلئے بلائے اور وہ کہے کہ "میں اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرتا ہوں۔"
(۷) وہ شخص جو اس طرح چھپا کر صدقہ دے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو کہ دائیں نے کیا صدقہ کیا۔"

(عرش کا سایہ کس کو ملے گا ص ۵)

(صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب فضل اخفاء الصدقۃ، الحدیث ۲۳۸۰، ص ۸۳۰ بتقدمٍ و تاخرٍ)

26: دَقَائِقُ عِلْمِ التَّوْحِیْدِ:

وَإِذَا أُشْكِلَ عَلَى الْإِنْسَانِ شَيْءٌ مِنْ دَقَائِقِ عِلْمِ التَّوْحِيْدِ فَإِنَّهُ يَنْبَغِيْ لَهُ أَنْ يَّعْتَقِدَ فِي الْحَالِ مَا هُوَ الصَّوَابُ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى إِلٰى أَنْ يَّجِدَ عَالِماً فَيَسْئَلُهُ وَلَا يَسَعُهُ تَاخِيْرُ الطَّلَبِ وَلَا يُعْذَرُ بِالْوَقْفِ فِيْهِ، وَيَكْفُرُ إِنْ وَقَفَ۔ وَخَبْرُ الْمِعْرَاجِ حَقٌّ، فَمَنْ رَدَّهُ فَهُوَ ضَالٌّ مُبْتَدِعٌ۔

ترجمہ: اور جب انسان پر توحید کے علم کی باریکیوں میں سے کسی بات کا (سمجھنا) مشکل ہو جائے تو اسے چاہئے کہ وہ فوری طور پر یہ عقیدہ رکھے کہ جو درست ہے وہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، یہاں تک کہ وہ کسی عالم کو پائے جس سے وہ (درست تفصیلات) دریافت کر لے، (لیکن اس سلسلے میں) طلب کی تاخیر کرنے میں کوئی گنجائش نہیں ہے، اور نہ ہی اس میں توقف کرنے میں معذور رکھا جائے گا، (بلکہ) اگر توقف کرے گا تو کافر ہو جائے گا۔ اور معراج (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی خبر حق ہے اور جو اس کا رد (انکار) کرے تو وہ گمراہ اور بدعتی ہے۔

سوال: عقائد میں شک وتوقف کا کیا حکم ہے؟

جواب: اعمال کے سلسلے میں کوتاہی کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے اور اس سے درگزر کا معاملہ ہو سکتا ہے، لیکن عقیدے کے سلسلے میں کسی بھی قسم کی کوتاہی اور غفلت ناقابل معافی ہے، اس لئے کہ تمام اعمال کا دارومدار عقیدے پر ہی ہوتا ہے۔

اسی لئے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کسی اہل ایمان پر علم توحید کی باریکیوں میں سے کوئی چیز دشوار ہو جائے تو اس پر واجب ہے کہ فوری طور پر اس کی صحیح اور درست تفصیلات خدا کے سپرد کرتے ہوئے اجمالی طور پر ایمان لے آئے، یہاں تک کہ اسے احوال کی حقیقت کو

جاننے والا مل جائے، جس سے وہ درست معلومات و تفصیلات علی وجہ الکمال جان لے، اور اللہ تعالیٰ کی صفات جلال یا صفات جمال میں سے کسی صفت کے متعلق تردد کے وقت توقف کرنے میں اسے معذور نہیں سمجھا جائے گا، بلکہ اگر توقف کیا تو کفر ہو جائے گا، کیونکہ توقف موجب شک ہے اور ایمان میں شک کفر ہے۔ مثلاً کسی کے سامنے کلام اللہ کے مخلوق یا قدیم ہونے کا مسئلہ آیا اور اس نے کہا کہ میں نہیں کہتا کہ قرآن مخلوق ہے یا قدیم۔

سوال: معراج کیا ہے؟

جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص سے معراج ہے، کہ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور وہاں سے ساتوں آسمان اور کرسی و عرش تک، بلکہ بالائے عرش رات کے ایک خفیف سے حصے میں مع جسم تشریف لے گئے، اور وہ قرب خاص حاصل ہوا کہ کسی بشر و ملک کو کبھی نہ حاصل ہوا نہ ہو، اور جمال الٰہی بچشمِ سر دیکھا اور کلام الٰہی بلا واسطہ سنا، اور تمام ملکوت السماوات والارض کو بالتفصیل ذرہ ذرہ ملاحظہ فرمایا، یہ تمام کا تمام بیان احادیثِ صحیحہ میں مذکور ہے۔ پس اسی سیر کا نام معراج النبی صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہے۔ (بہار شریعت جلد ا ص ٦٧۔٦٨)

سوال: معراج کا انکار کرنا کیسا ہے؟

جواب: معراج کے کئی حصے ہیں، پس جس نے اسراء یعنی مکہ سے بیت المقدس تک کے سفر کا انکار کیا تو وہ کافر ہو جائے گا کہ وہ نص قرآنی سے صراحتاً ثابت ہے۔ اور جس نے معراج یعنی بیت المقدس سے لامکاں تک کا انکار کیا تو وہ کافر نہیں، مگر گمراہ اور بدعتی ضرور ہے، کہ اس کا ثبوت احادیث صحیحہ سے ہے۔

دل کی سختی کا سبب:
حضرتِ سَیِّدُنا مالک بن دینار علیہ رحمۃ اللہ الغفّار فرماتے ہیں: ''اگر تو اپنے دل میں سختی یا اپنے بدن میں سستی یا اپنے رزق میں محرومی دیکھے تو یقین کرلے تو نے کوئی فضول گفتگو کی ہے۔'' (بحر الدموع ص ٢٣٩)

27: اَشْرَاطُ السَّاعَةِ:

وَ خُرُوْجُ الدَّجَّالِ وَ یَأْجُوْجَ وَ مَأْجُوْجَ وَ طُلُوْعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا، وَ نُزُوْلُ عِیْسیٰ عَلَیْهِ السَّلَامُ مِنَ السَّمَاءِ وَ سَائِرُ عَلَامَاتِ یَوْمِ الْقِیَامَةِ عَلیٰ مَا وَرَدَتْ بِهِ الْاَخْبَارُ الصَّحِیْحَةُ حَقٌّ کَائِنٌ، وَ اللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ اِلیٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔

ترجمہ: اور دجال کا نکلنا اور یاجوج ماجوج کا نکلنا اور سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، اور عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نازل ہونا، اور دیگر تمام علامات قیامت جن کے بارے میں صحیح احادیث وارد ہوئی ہیں سب کے سب حق اور ہونے والی ہیں، اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت عطا فرماتا ہے۔

سوال: قیامت کسے کہتے ہیں؟

جواب: جیسے ہر چیز کی ایک عُمر مُقرَّر ہے اس کے پورے ہونے کے بعد وہ چیز فنا ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی دنیا کی بھی ایک عُمر اللہ عَزَّوَجَلَّ کے عِلم میں مُقرَّر ہے۔ اس کے پورا ہونے کے بعد دنیا فنا ہو جائے گی۔ زمین و آسمان، آدمی، جانور کوئی بھی باقی نہ رہے گا۔ اس کو "قیامت" کہتے ہیں جیسے آدمی کے مرنے سے پہلے بیماری کی شدّت، جان نکلنے کی علامات ظاہر ہوتی ہیں۔ ایسے ہی قیامت سے پہلے اس کی نشانیاں ہیں۔

سوال: علاماتِ قیامت سے کیا مراد ہے اور وہ کیا ہیں؟

جواب: قِیامت سے پہلے چند نشانیاں ظاہر ہوں گی انہیں علاماتِ قِیامت یا آثارِ قیامت کہتے ہیں علاماتِ قیامت کی دو قسمیں ہیں:

{۱} وہ نشانیاں جو حضورِ اَقدس صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی وِلادت مبارکہ سے لے کر اب تک واقع ہو چکی ہیں اور حضرتِ سیّدنا امام مہدی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے ظہور تک وقوع میں آتی رہیں گی، انہیں علامات صغرٰی کہتے ہیں۔

{۲} وہ نشانیاں جو حضرت سیّدنا امام مہدی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے ظہور کے بعد صُور پھونکنے تک واقع ہوں گی، یہ علامات یکے بعد دیگرے، پے دَر پے اس طرح ظاہر ہوں گی جیسے سلکِ مَرْوَارِید سے موتی گرتے ہیں۔ ان کے ختم ہوتے ہی قِیامت برپا ہو گی، انہیں علاماتِ کُبرٰی کہتے ہیں۔

(ہمارا اسلام، علامات قیامت، حصہ ۵، ص ۲۸۲)

سوال: علاماتِ صغرٰی کیا کیا ہیں؟

جواب: علاماتِ صغرٰی بہت سی ہیں جن میں سے چند یہ ہیں: {۱} سرکارِ دو عالم صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کا دنیا سے پردہ فرمانا {۲} تمام صحابۂ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھُم کا دنیا سے پردہ فرمانا {۳} تین خَسف کا واقع ہونا یعنی آدمی زمین میں دھنس جائیں گے، ایک مشرق میں، دوسرا مغرب میں اور تیسرا جزیرۂ عرب میں {۴} علم اٹھ جائے گا یعنی علماء اٹھا لئے جائیں گے اور لوگ جاہلوں کو اپنا امام و پیشوا بنائیں گے، وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے {۵} زِنا، شراب نوشی و بدکاری اور بے حیائی کی زیادتی ہو گی {۶} مرد کم ہوں گے اور عورتیں زیادہ ہوں گی یہاں تک کہ ایک مرد کی سرپرستی میں پچاس عورتیں ہوں گی {۷} بڑے دجال کے علاوہ تیس دجال اور ہوں گے، وہ سب نُبُوَّت کا جھوٹا دعوٰی کریں گے {۸} مال کی کثرت ہو گی، زمین اپنے خزانے اُگل دے گی {۹} دِین پر قائم رہنا ایسا دشوار ہو گا جیسے مُٹھی میں انگارہ لینا {۱۰} وقت میں بَرَکت نہ ہو گی یعنی جلدی جلدی گزرے گا {۱۱} زکوٰۃ دینے کو لوگ تاوان سمجھیں گے {۱۲} علمِ دِین پڑھیں گے مگر دِین کی خاطر نہیں بلکہ دنیا کمانے کیلئے {۱۳} عورتیں مردانی وَضع اِختیار

کریں گی اور مرد زَنانی وَضع {۱۴} گانے باجے کی کثرت ہو گی {۱۵} ملاقات کے وقت سلام کے بجائے لوگ گالی گلوچ سے پیش آئیں گے {۱۶} مسجد کے اندر شور وغُل اور دنیا کی باتیں ہوں گی {۱۷} لوگ نماز کی شرائط وارکان کا لحاظ کئے بغیر نمازیں پڑھیں گے یہاں تک کہ پچاس میں سے ایک نماز بھی قبول نہ ہو گی۔

(ہمارا اسلام، علامات قیامت، حصہ ۵، ص ۲۸۲)

سوال: قِیامت کی علاماتِ کبریٰ کیا کیا ہیں؟

جواب: علاماتِ کبریٰ یہ ہیں: {۱} دجال کا ظاہر ہونا {۲} حضرتِ سیّدنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کا آسمان سے نُزُول فرمانا {۳} حضرتِ سیّدنا امام مہدی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا ظاہر ہونا {۴} یاجوج وماجوج کا نکلنا {۵} دُھویں کا پیدا ہونا {۶} دَابَّۃُ الْاَرْض کا نکلنا {۷} سورج کا مغرب سے نکلنا {۸} حضرتِ سیّدنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلام کا دنیا سے پردہ فرمانا وغیرہ۔(ہمارا اسلام، علامات قیامت، حصہ ۵، ص ۲۸۳)

سوال: دجَّال کون ہے اوریہ کب اور کیسے ظاہر ہوگا؟

جواب: دَجَّال قومِ یہود کا ایک مرد ہے جو اس وقت بحکمِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ دریائے طبرستان کے جزائر میں قید ہے یہ آزاد ہو کر ایک پہاڑ پر آئے گا وہاں بیٹھ کر آواز لگائے گا، دوسری آواز پر وہ لوگ جمع ہو جائیں گے جنہیں بد بخت ہونا ہے، پھر یہ ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ ملکِ خدا عَزَّوَجَلَّ میں فتور پیدا کرنے کیلئے شام و عراق کے درمیان سے نکلے گا اس کی ایک آنکھ اور ایک اَبرو بالکل نہ ہو گی اسی وجہ سے اِسے مسیح (کانا) کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ یہود کی فوجیں ہوں گی، وہ ایک بڑے گدھے پر سوار ہو گا اور اس کی پیشانی پر "ک اف ر "یعنی کافر لکھا ہو گا جسے ہر مسلمان پڑھے گا البتہ کافِر کو نظر نہ آئے گا، اس کا فتنہ بہت شدید ہو گا، چالیس دن رہے گا جن میں سے پہلا دن سال بھر کے برابر ہو گا، دوسرا ایک مہینہ بھر کے برابر ہو گا، تیسرا ایک ہفتے کے برابر اور بقیہ عام دنوں جیسے ہوں گے۔ وہ بہت تیزی سے ایک جگہ سے

دوسری جگہ پہنچے گا جیسے بادل، جسے ہوا اڑاتی ہو، وہ خدائی کا دعویٰ کرے گا۔ اس کے ساتھ ایک باغ اور ایک آگ ہوگی جن کا نام جنَّت و دوزخ رکھے گا، مگر وہ جو دیکھنے میں جنّت معلوم ہوگی حقیقۃً وہ آگ ہوگی اور جو جہنم دکھائی دے گی وہ مقامِ راحت ہوگا۔ جو اُس پر ایمان لے آئیں گے اُن کیلئے بادل کو حکم دے گا تو وہ برسنے لگے گا اور زمین کو حکم دے گا تو کھیتی اُگ آئے گی، جو اُسے نہ مانیں گے ان کے پاس سے چلا جائے گا تو وہ قَحط میں مبتلا ہو جائیں گے اور تہی دَست رہ جائیں گے، ویرانے میں جائے گا تو وہاں کے دفینے شہد کی مکھیوں کی طرح اس کے ہمراہ ہولیں گے۔

الغرض! اِس قسم کے بہت سے شعبدے دکھائے گا، حقیقت میں یہ سب جادُو ہوگا، اس لئے اس کے وہاں سے جاتے ہی لوگوں کے پاس کچھ نہ رہے گا، ایسے وقت میں مسلمان ذکرِ خدا عَزَّوَجَلَّ کریں گے جس سے ان کی بھوک وپیاس ختم ہو جائے گی، چالیس دن میں تمام زمین کا گشت کرے گا مگر مکۂ معظمہ و مدینۂ منورہ میں جب بھی داخل ہونا چاہے گا فرشتے اس کا منہ پھیر دیں گے، پھر جب وہ ساری دنیا میں گھوم پھر کر ملکِ شام پہنچے گا تو اس وقت حضرتِ سیّدنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نزول فرمائیں گے۔

(ہمارا اسلام، علامات قیامت، حصہ ۵، ص ۲۸۴)

سوال: حضرتِ سیّدنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کب اور کہاں نُزُول فرمائیں گے؟

جواب: جب دَجّال کا فتنہ اپنی اِنتہا کو پہنچ چکے گا اور یہ ملعون تمام دنیا میں پِھر کر ملکِ شام میں پہنچے گا جہاں تمام اَہلِ عرب سِمٹ کر جمع ہو چکے ہوں گے، یہ خبیث ان سب کا محاصرہ کر لے گا، ان میں بائیس ہزار جنگجو مرد اور ایک لاکھ عورتیں ہوں گی، اسی حالت میں قلعہ بند مسلمانوں کو اچانک غیب سے آواز آئے گی کہ گھبراؤ نہیں فریاد رَس آ پہنچا۔ اس وقت حضرتِ سیّدنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام آسمان سے دو

فرشتوں کے پروں پر ہاتھ رکھے زَرد رنگ کا جوڑا زَیبِ تن کئے ہوئے نہایت نورانی صورت میں دِمَشق کی جامع مسجد کے شرقی منارے پر دین محمدی صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے حاکم اور امامِ عادل ومجددِ ملّت ہو کر نُزول فرمائیں گے۔وہ صبح کا وقت ہو گا، نمازِ فجر کیلئے اقامت ہو چکی ہو گی، حضرتِ سیِّدنا امام مہدی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ آپ عَلَیْہِ السَّلَام سے اِمامت کی درخواست کریں گے، حضرتِ سیدنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام حضرتِ سیِّدنا امام مہدی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی پشت پر ہاتھ رکھ کر فرمائیں گے: آگے بڑھو نماز پڑھاؤ کہ تکبیر تمہارے ہی لئے ہوئی ہے۔ حضور تاجدارِ عرب وعجم، سرکارِ دوعالم صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کا فرمانِ مُکرَّم ہے: ''تمہارا حال کیسا ہو گا جب تم میں ابن مریم عَلَیْہِ السَّلَام نزول فرمائیں گے اور تمہارا امام تم ہی میں سے ہو گا۔''

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب نزول عیسیٰ ابن مریم حاکماً شریعۃ نبینا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، الحدیث:۲۴۶،۲۴۵، ص ۹۲)

یعنی تمہاری اس وقت کی خوشی اور فخر بیان سے باہر ہے کہ رُوح اللہ عَلَیْہِ السَّلَام نبی ورسول ہونے کے باوجود تم پر اُتریں، تم میں رہیں ، تمہارے معین و یاوَر بنیں اور تمہارے امام کے پیچھے نماز پڑھیں۔(ہمارا اسلام، علامات قیامت، حصہ ۵، ص ۲۸۵)

سوال: حضرتِ سیّدنا امام مہدی کون ہیں؟

جواب: حضرتِ سیِّدنا امام مہدی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ بارہ اِماموں رَضْوَانُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْن میں سب سے آخری امام اور خلیفۃ اللہ ہیں، آپ کا اسمِ گرامی ''محمد'' والِد صاحب کا نام ''عبد اللہ'' اور والدہ صاحبہ کا نام ''آمنہ'' ہو گا، آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نسبتاً سَیِّد، حَسَنی، حضرتِ سیّدَتنا بی بی فاطمہ زہراء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی اَولاد سے ہوں گے اور مادری رشتوں میں حضرتِ سیِّدنا عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے بھی آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا کچھ تعلُّق ہو گا۔چالیس سال کی عمر میں آپ کا ظہور ہو گا، آپ رَضِیَ

اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی خلافت سات یا آٹھ یا نو سال ہوگی ۔ اس کے بعد آپ کا وِصال ہو جائے گا ۔ حضرتِ سیّدنا عیسٰی عَلَیْہِ السَّلَام آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی نمازِ جنازہ پڑھائیں گے۔ چنانچہ رِوایات میں ہے کہ جب تمام علاماتِ صغرٰی واقع ہو چکیں گی، تو اس وقت نصارٰی (عیسائیوں) کا غلبہ ہو گا، رُوم و شام اور تمام ممالکِ اسلام، حَرَمین شریفین کے علاوہ سب مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ تمام زمین فتنہ و فساد سے بھر جائے گی، اس وقت اَبدال بلکہ تمام اَولیاءُاللہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِم سب جگہ سے سمٹ کر حَرَمین شریفین کو ہجرت کر جائیں گے اور ساری زمین کفرستان ہو جائے گی رمضان شریف کا مہینہ ہو گا، اَبدال طوافِ کعبہ میں مصروف ہوں گے اور حضرتِ سیّدنا امام مہدی بھی جن کی عمر مبارک اس وقت چالیس سال ہو گی وہاں ہوں گے۔ اَولیائے کرام رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِم انہیں پہچان کر درخواستِ بیعت کریں گے، آپ انکار فرمائیں گے، دفعۃً غیب سے ایک آواز آئے گی "ھٰذَا خَلِیْفَۃُ اللہِ الْمَھْدِیُّ فَاسْمَعُوْالَہٗ وَاَطِیْعُوْہُ" یہ اللہ عَزَّوَجَل کا خلیفہ مہدی ہے، اس کی بات سنو اور اس کا حکم مانو۔ اب تمام اَولیائے کرام رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِم اور اہلِ اسلام آپ کے دَستِ مبارک پر بیعت کریں گے۔ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ وہاں سے سب کو اپنے ہمراہ لے کر ملکِ شام تشریف لے جائیں گے۔

(ہمارا اسلام، علاماتِ قیامت، حصہ ۵، ص ۲۸۷)

سوال: یاجوج و ماجوج کون ہیں؟

جواب: یاجوج ماجوج یافِث بن نوح عَلَیْہِ السَّلَام کی اَولاد میں سے فسادی گروہ ہیں، ان کی تعداد بہت زیادہ ہے، وہ زمین میں فساد کرتے تھے یہ ایّامِ ربیع میں نکلتے تھے کھیتیاں اور سبزیاں سب کچھ کھا جاتے تھے، آدمیوں بلکہ درندوں، وحشی جانوروں بلکہ سانپوں، بچھوؤں تک کو کھا جاتے تھے، حضرتِ سیّدنا سکندر ذوالقرنین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ جو مؤمنِ صالح اور اللہ عَزَّوَجَل کے مقبول بندے اور تمام دنیا پر

حکمران تھے، لوگوں نے ان سے یاجوج وماجوج کی شکایت کی چنانچہ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ان کی درخواست پر بنیاد کھدوائی، جب پانی تک پہنچ گئی تو اس میں پگھلائے ہوئے تانبے سے پتھر جمائے گئے اور لوہے کے تختے اوپر نیچے چن کر ان کے درمیان لکڑی اور کوئلہ بھروادیا اور آگ دے دی، اسی طرح یہ دیوار پہاڑ کی بلندی تک اونچی کر دی گئی اور اوپر سے پگھلا ہوا تانبہ دیوار میں پلا دیا گیا یہ سب مل کر ایک انتہائی سخت جسم ہوگیا، اس کی چوڑائی ساٹھ گز ہے اور لمبائی ڈیڑھ سو فرسنگ ۔ شہنشاہِ اَبرار ، شفیعِ روزِ شمار، دوعالَم کے مالک و مختار بِاِذنِ پروردگار، غیبوں پر خبر دار، جنابِ احمد مختار صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کا فرمانِ والاتبار ہے کہ یاجوج ماجوج روزانہ اس دیوار کو توڑتے ہیں اور دن بھر محنت کرتے ہیں، جب اس کے توڑنے کے قریب ہوتے ہیں تو ان میں سے کوئی کہتا ہے کہ اب چلو! باقی کل توڑیں گے، دوسرے روز جب آتے ہیں تو وہ دیوار بحکمِ اِلٰہی عَزَّوَجَلَّ پہلے سے زیادہ مضبوط ہوچکی ہوتی ہے۔ پھر جب ان کے خُروج کا وقت آئے گا تو ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا اب چلو! باقی دیوار کل توڑیں گے اِنْ شَآءَاللہ عَزَّوَجَلَّ۔ چنانچہ ''اِنْ شَآءَاللہ'' عَزَّوَجَلَّ کہنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ اس دن کی محنت رائیگاں نہیں جائے گی اور اگلے روز انہیں دیوار اتنی ہی ٹوٹی ہوئی ملے گی جتنی گزشتہ روز توڑ گئے تھے، اب وہ باہر نکل آئیں گے۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب فتنۃ الدجال، الحدیث:۴۰۸۰، ج۴، ص۴۰۹)

سوال: یاجوج ماجوج کا خروج کب ہوگا؟

جواب: قتلِ دَجّال کے بعد جب لوگ امن و امان کی زندگی بسر کر رہے ہوں گے تو اس وقت حضرتِ سیِّدنا عیسٰی عَلَیْہِ السَّلَام کو حکمِ اِلٰہی ہوگا کہ مسلمانوں کو کوہِ طُور پر لے جائیں اس لئے کہ اب کچھ ایسے لوگ ظاہر کئے جائیں گے جن سے لڑنے کی کسی کو طاقت نہیں چنانچہ آپ عَلَیْہِ السَّلَام لوگوں کو لے کر قلعہ ٔطور پر تشریف لے جائیں گے، اس کے بعد یاجوج ماجوج ظاہر ہوں گے، ان کی تعداد اتنی زیادہ ہوگی

کہ ان کی پہلی جماعت جب بحیرۂ طبریہ پر سے (جس کا طول دس میل ہو گا) گزرے گی تو اس کا سارا پانی پی کر اس طرح سکھا دے گی کہ جب دوسری جماعت وہاں آئے گی تو کہے گی کہ یہاں کبھی پانی تھا ہی نہیں۔ غرض یہ لوگ ہر طرف پھیل کر فتنہ و فساد اور قتل وغارت برپا کریں گے پھر جب دنیا میں قتل وغارت کر چکیں گے تو کہیں گے کہ زمین والوں کو تو قتل کر لیا، آؤ! اب آسمان والوں کو بھی قتل کر دیں، یہ کہہ کر اپنے تیر آسمان کی طرف پھینکیں گے، خدا عَزَّوَجَلَّ کی قدرت سے اُن کے تیر اوپر سے خون آلود گریں گے، یہ سمجھیں گے کہ آسمان والے بھی ہلاک ہو گئے۔

اِدھر یہ اپنی حرکتوں میں مشغول ہوں گے اور وہاں پہاڑ پر حضرتِ سیّدنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام اپنے ساتھیوں کے ساتھ محصور ہوں گے۔ محصورین میں قحط کا عالَم یہ ہو گا کہ ان کے نزدیک گائے کے سَر کی وہ وقعت ہو گی جو آج سو اشرفیوں کی نہیں، اس وقت حضرتِ سیّدنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام اپنے حواریوں کے ساتھ اس مصیبت سے چھٹکارے کی دُعا فرمائیں گے، اس پر اللہ عَزَّوَجَل یاجوج ماجوج کی گردنوں میں ایک قسم کے کیڑے پیدا کر دے گا جس کے سبب ایک ہی رات میں وہ سب ہلاک ہو جائیں گے۔

(ہمارا اسلام، علامات قیامت، حصہ ۵، ص ۲۹۰)

سوال: یاجوج ماجوج کے ہلاک ہونے کے بعد کیا ہوگا؟

جواب: ان کے مرنے کے بعد جب حضرتِ سیّدنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام اور ان کے اصحاب پہاڑ سے اتریں گے تو دیکھیں گے کہ تمام زمین ان کی لاشوں اور بدبُو سے بھری پڑی ہے حتی کہ ایک بالشت زمین بھی خالی نہ ہو گی، آپ عَلَیْہِ السَّلَام اپنے ہمراہیوں کے ساتھ پھر دعا فرمائیں گے، اللہ عَزَّوَجَل ایک سخت آندھی اور ایک خاص قسم کے پرندے بھیجے گا، وہ ان کی لاشوں کو جہاں اللہ عَزَّوَجَل چاہے گا پھینک آئیں گے اور ان کے تیر و ترکش کو مسلمان سات برس تک جلائیں گے، پھر اس کے بعد بارش ہو گی جس سے زمین

بالکل ہموار ہو جائے گی۔ اور زمین کو حکم ہو گا کہ اپنی بَرَکتیں اگل دے تو یہ حالت ہو گی کہ انار اتنے بڑے بڑے پیدا ہوں گے کہ ایک اَنار سے ایک جماعت کا پیٹ بھرے گا اور اس کے چھلکے کے سائے میں دس آدمی بیٹھیں گے اور دُودھ میں یہ بَرَکت ہو گی کہ ایک اونٹنی کا دودھ جماعت کو کافی ہو گا اور ایک گائے کا دودھ قبیلے بھر کو اور ایک بکری کا خاندان بھر کو کفایت کرے گا۔

(ہمارا اسلام، علامات قیامت، حصہ ۵، ص ۲۹۰)

سوال: حضرتِ سیّدنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کب تک دنیا میں قیام فرمائیں گے؟

جواب: حضرتِ سیّدنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام چالیس سال تک زمین میں امامتِ دِین و حکومتِ عدل فرمائیں گے، اس میں سات سال دجال کی ہلاکت کے بعد کے ہیں، ان ہی میں آپ عَلَیْہِ السَّلَام نکاح فرمائیں گے، آپ عَلَیْہِ السَّلَام کی اَولاد بھی ہو گی۔ حضور تاجدارِ مدینہ، راحتِ قلب و سینہ، صاحبِ معطّر پسینہ، باعثِ نزولِ سکینہ صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے مزارِ اَقدس پر حاضر ہو کر سلام عرض کریں گے، قبرِ انور سے سلام کا جواب آئے گا، پھر رَوحا کے راستہ سے حج یا عمرہ ادا فرمائیں گے۔ اس کے بعد آپ عَلَیْہِ السَّلَام وِصال فرما جائیں گے، مسلمان ان کی تجہیز کریں گے نہلائیں گے، خوشبو لگائیں گے کفن دیں گے، نماز پڑھیں گے اور ہمارے پیارے آقا و مولیٰ، حضور سیّد الانبیاء صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے پہلوئے مبارک میں، گنبدِ خَضرا کے سائے میں آپ عَلَیْہِ السَّلَام دفن کئے جائیں گے۔

(ہمارا اسلام، علامات قیامت، حصہ ۵، ص ۲۹۱)

سوال: دُھواں کب ظاہر ہوگا اور اس کا اثر کیا ہوگا؟

جواب: حضرتِ سیّدنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی وفات کے بعد قبیلہ قحطان میں سے ایک شخص جہجاہ نام کے آپ عَلَیْہِ السَّلَام کے خلیفہ ہوں گے جو کہ یمن کے رہنے والے ہوں گے، ان کے بعد چند بادشاہ

اور ہوں گے جن کے عہد میں پھر سے کفر و جہالت کا دَور دَورہ ہو جائے گا۔ اسی اَثناء میں ایک مکان مغرب میں اور ایک مشرق میں جہاں منکرین تقدیر رہتے ہوں گے زمین میں دھنس جائے گا، اس کے بعد آسمان سے دُھواں نمودار ہو گا جس سے آسمان سے زمین تک اندھیرا ہو جائے گا، یہ اندھیرا چالیس روز تک رہے گا، اس سے مسلمان زُکام میں مبتلا ہو جائیں گے جب کہ کافروں اور منافقوں پر بے ہوشی طاری ہو جائے گی، بعض ایک دن کے بعد، بعض دو دن اور بعض تین دن کے بعد ہوش میں آئیں گے، پھر مغرب سے آفتاب طلوع ہو گا۔ (ہمارا اسلام، علامات قیامت، حصہ ۵، ص ۲۹۲)

سوال: سورج مغرب سے کیسے طلوع ہوگا؟

جواب: روزانہ آفتاب بارگاہِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ میں سجدہ کر کے اِذنِ طلوع چاہتا ہے، جب اِجازت ملتی ہے تب طلوع ہوتا ہے، قربِ قیامت میں جب آفتاب حسبِ معمول طلوع کی اجازت چاہے گا تو اجازت نہ ملے گی اور حکم ہو گا کہ واپس جا، وہ واپس ہو جائے گا اور اس کے بعد ماہِ ذِی الْحِجَّہ میں یومِ نَحر کے بعد رات اس قدر لمبی ہو جائے گی کہ بچّے چلّا اٹھیں گے، مسافر تنگدل اور مویشی چراگاہ کے لئے بے قرار ہو جائیں گے یہاں تک کہ لوگ بے چینی کی وجہ سے نالہ وزاری کریں گے اور توبہ توبہ پکاریں گے، آخر تین چار رات کی مقدار دَراز ہونے کے بعد آفتاب مغرب سے اضطراب کی حالت میں چاند گرہن کی مانند تھوڑی روشنی کے ساتھ نکلے گا اور نصف آسمان تک آکر لَوٹ جائے گا اور جانبِ مغرب غروب ہو گا اس کے بعد پھر مشرق سے طلوع ہوا کرے گا۔ اس نشانی کے ظاہر ہوتے ہی توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ کافر اپنے کفر سے یا گناہ گار اپنے گناہوں سے توبہ کرنا بھی چاہے گا تو توبہ قبول نہ ہو گی اور اس وقت کسی کا اِسلام لانا قابلِ قبول نہ ہو گا۔ (ہمارا اسلام، علامات قیامت، حصہ ۵، ص ۲۹۲)

سوال: دَابَّۃُ الْاَرْض کیا ہے اور یہ کب نکلے گا؟

جواب: دَابَّةُ الْاَرْض عجیب شکل کا ایک جانور ہو گا جو کوہِ صَفا سے بر آمد ہو کر تمام شہروں میں بہت جلد پھرے گا اور ایسی تیزی سے دَورہ کرے گا کہ کوئی بھاگنے والا اس سے نہ بچ سکے گا، فصاحت کے ساتھ کلام کرے گا اور بزبانِ فصیح کہے گا: "هٰذَا مُؤْمِنٌ وَّهٰذَا كَافِرٌ" یہ مؤمن ہے اور یہ کافر ہے۔ اس کے ایک ہاتھ میں حضرتِ سیّدنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کا عصا اور دوسرے میں حضرتِ سیّدنا سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام کی انگوٹھی ہوگی۔ عصا سے ہر مسلمان کی پیشانی پر ایک نورانی خط بنائے گا جس سے سیاہ چہرہ نورانی ہو جائے گا اور انگوٹھی سے ہر کافر کی پیشانی پر سیاہ مہر لگائے گا جس سے اس کا چہرہ بے رونق ہو جائے گا۔ اس وقت تمام مسلمان و کافر علانیہ ظاہر ہوں گے، یہ علامت کبھی بھی نہ بدلے گی، جو کافر ہے ہر گز ایمان نہ لائے گا اور جو مسلمان ہے ہمیشہ ایمان پر قائم رہے گا۔ آفتاب کے مغرب سے طلوع ہونے کے دوسرے روز لوگ اسی واقعہ کا چرچا کرنے میں مشغول ہوں گے کہ اچانک کوہِ صفا زلزلے سے پھٹ جائے گا اور یہ جانور نکلے گا۔ پہلے یمن میں پھر نجد میں ظاہر ہو کر غائب ہو جائے گا اور تیسری بار مکّہ معظمہ میں ظاہر ہو گا۔

(ہمارا اسلام، علامات قیامت، حصہ ۵، ص ۲۹۳)

سوال: اس کے بعد پھر کیا ہوگا؟

جواب: جب قیامت قائم ہونے میں صرف چالیس سال رہ جائیں گے ایک خوشبو دار ٹھنڈی ہوا چلے گی جو لوگوں کی بغلوں کے نیچے سے نکلے گی، جس کا اثر یہ ہو گا کہ مسلمان کی روح قبض ہو جائے گی یہاں تک کہ کوئی اہلِ ایمان اہلِ خیر نہ ہو گا اور کافر ہی کافر رہ جائیں گے، کفّارِ حبشہ کا غلبہ ہو گا اور ان کی سلطنت ہو گی حکام کا ظلم اور رِعایا کی ایک دوسرے پر دَست دَرازِی رفتہ رفتہ بڑھ جائے گی، بت پرستی عام ہو گی اور قحط اور وَبا کا ظہور ہو گا۔ اس وقت ملک شام میں کچھ اَمن ہو گا، دیگر ممالک کے لوگ اہل و عیال سمیت ملکِ شام کو روانہ ہوں گے، اسی اثناء میں ایک بڑی آگ جنوب سے نمودار ہو گی، وہ ان کا تعاقب کرے گی، یہاں تک

کہ وہ شام میں پہنچ جائیں گے، پھر وہ آگ غائب ہو جائے گی، یہ چالیس سال کا زمانہ ایسا گزرے گا کہ اس میں کسی کے اَولاد نہ ہو گی۔ یعنی چالیس سال سے کم عمر کا کوئی نہ ہو گا اور دنیا میں کافر ہی کافر ہوں گے، اللہ عَزَّوَجَلّ کہنے والا کوئی نہ ہو گا کہ اچانک جُمعہ کے روز جو کہ یومِ عاشورہ بھی ہو گا (یعنی دس محرم الحرام) اور لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوں گے کہ صبح کے وقت اللہ تَعَالیٰ حضرتِ سیّدنا اسرافیل عَلَیْہِ السَّلَام کو صور پھونکنے کا حکم دے گا اور کافروں پر قیامت قائم ہو گی۔ (ہمارا اسلام، علامات قیامت، حصہ ۵، ص ۲۹۳)

تمت بالخیر

بِحَمْدِہٖ تَعَالیٰ

"**اَلْفِقْہُ الْاَکْبَر**"

کی اردو شرح بنام

"**القول الاظہر**"

کا آغاز

۲۱ شعبان المعظم ۱۴۴۱ ہجری بروز جمعرات ۳:۵۰pm بمطابق ۱۶ اپریل ۲۰۲۰ء کو ہوا۔

اور ۱۱ دن کی محنت کے نتیجے میں

۳ رمضان المبارک ۱۴۴۱ ہجری شب پیر بمطابق ۲۷ اپریل ۲۰۲۰ء رات ۱:۱۳pm پر،

اختتام پذیر ہوئی۔

عقل مند کون؟

حضرتِ سَیِّدُنا ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحیفوں میں ہے: ''عقلمند آدمی پر لازم ہے کہ وہ اپنے زمانے پر نظر رکھنے والا ہو، اپنے کام سے کام رکھنے والا ہو اور اپنی زبان کی حفاظت کرنے والا ہو۔''

(الترغیب والترھیب، کتاب الادب الحدیث ۴۴۰۵، ج ۳، ص ۴۱۷)

تہتر فرقے

سوال: امتِ محمدیہ میں کتنے فرقے ہیں؟

جواب: حدیث شریف میں ہے۔سَتَفۡتَرِقُ اُمَّتِی ثلثًا و سَبۡعِیۡنَ فِرۡقَۃً کُلُّھُمۡ فِی النَّارِ اِلّاوَاحِدَۃً(یعنی میری)"یہ امت تہتر فرقے ہو جائے گی ایک فرقہ جنتی ہو گا باقی سب جہنمی "صحابہ نے عرض کی "مَنۡ ھُمۡ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "وہ ناجی (نجات پانے والا) فرقہ کون ہے یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)"۔آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایامَااَنَا عَلَیۡہِ وَاَصۡحَابِی "وہ جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں"(یعنی سنت کے پیروکار) دوسری روایت میں "ھُمُ الجماعۃ"وہ جماعت ہے یعنی مسلمانوں کابڑا گروہ جسے سوادِ اعظم فرمایااور فرمایا جو اس سے الگ ہوا جہنم میں الگ ہوا، اسی وجہ سے اس ناجی فرقہ کا نام اہل سنت و جماعت ہوا۔(بہارِ شریعت جہیز ایڈیشن، حصہ اول، ج ا، ص ۴۸ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

امتِ محمدیہ میں کل تہتر فرقے ہیں، اور دراصل یہ سب دس گروہوں سے نکلے ہیں: (۱) اہلِ سنت۔(۲) خارجی۔(۳) شیعہ۔(۴) معتزلہ۔(۵) مرجیہ۔(۶) مشبہہ۔(۷) جہمیہ۔(۸) ضراریہ۔(۹) نجاریہ۔(۱۰) کلابیہ۔

سوال: ان دس گروہوں کی تفصیل بیان کریں۔

جواب: ان دس گروہوں کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

(۱) اہلِ سنت: الحمدللہ عزوجل اہلِ سنت کا صرف ایک ہی طبقہ ہے۔(۲) خارجی: خوارج کے پندرہ فرقے۔(۳) شیعہ: شیعہ کے بتیس فرقے۔(۴) معتزلہ: معتزلہ کے چھ فرقے۔(۵) مرجیہ: مرجیہ کے بارہ فرقے۔

(٦)مشبہہ: مشبہہ کے تین فرقے۔(۷)جہمیہ: جہمیہ کا ایک فرقہ۔(۸)ضراریہ: ضراریہ کا ایک فرقہ۔(۹) نجاریہ: نجاریہ کا ایک فرقہ۔(۱۰)کلابیہ: کلابیہ کا ایک فرقہ۔(غنیۃ الطالبین ص ۱۷۷)

سوال: خارجی سے کون لوگ مراد ہیں؟ اور ان کے عقائد کیا ہیں؟

جواب: خارجیوں کے نام اور القاب مختلف ہیں، اس گروہ کو خارجی کہنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ انہوں نے حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا تھا، ان کا نام حکمیہ بھی ہے، اس لئے کہ انہوں نے حضرتِ ابو موسی اشعری اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے حکم ہونے کا انکار کیا تھا، اور جب حضرتِ علی رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو حکم مان لیا تو خارجیوں نے کہا ”حکم دینا صرف اللہ تعالی کے ساتھ خاص ہے، کسی کو خلیفہ کے تقرر کے متعلق فیصلہ صادر کرنے کا حق نہیں ہے“۔

خارجیوں کے عقائد: خلفاء کے خلاف انہوں نے تلوار اٹھائی، اور ان کے خون و مال کو حلال قرار دیا، اپنے مخالفین کو کافر کہا، رسول اللہ ﷺ کے اصحاب و انصار پر سب و شتم کیا، اور ان سے تبرا(بیزاری کا اظہار) کیا، ان حضرات کو کافر ہو جانے اور کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہونے کی نسبت کی، ان کی مخالفت کو جائز قرار دیا، یہ لوگ عذابِ قبر اور حوض کوثر پر ایمان نہیں رکھتے، نہ رسول اللہ ﷺ کی شفاعت پر ایمان رکھتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ جو ایک دفعہ دوزخ میں داخل ہو گیا وہ پھر خارج نہیں ہو گا، اور کہتے ہیں کہ جس نے ایک دفعہ جھوٹ بولا یا گناہِ صغیرہ یا کبیرہ کا مرتکب ہوا اور بغیر توبہ کئے مر گیا تو وہ کافر ہے اور وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا وغیرہ وغیرہ۔(غنیۃ الطالبین ص ۱۷۷)

سوال: روافض سے کون لوگ مراد ہیں؟ اور ان کے عقائد کیا ہیں؟

جواب: رافضی کی جمع روافض ہے، مراد اس سے شیعہ حضرات ہیں، یہ انتہائی گستاخ اور بے باک فرقہ ہے، ان لوگوں نے اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کی خاطر شرعی احکام کو توڑ موڑ کر اور احادیث میں ردوبدل کرکے اپنی فقہ ایجاد کرلی ہے، ان کے عقائد گمراہ کن اور کفریات پر مبنی ہیں مثلاً "(i) مُردے دوبارہ دنیا میں آئیں گے، (ii) روح دوسرے بدن میں آئے گی (iii) اللہ تعالیٰ کی روح، آئمہ اہل بیت میں منتقل ہوئی ہے (iv) امام باطن خروج کریں گے (v) امام باطن کے خروج تک امر و نہی احکام معطل رہیں گے (vi) حضرت جبریل علیہ السلام سے حضرت علی کے مقابلے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی لانے میں غلطی ہوئی ہے" (معاذاللہ) انہی کفریہ عقائد کی بناء پر ان کی تکفیر نہایت ضروری ہے۔ یہ لوگ ملّتِ اسلامیہ سے خارج ہیں اور مرتدین کے احکام ان پر لاگو ہوں گے۔

(ماخوذ از "فتاوی رضویہ" جدید، ج ۱۴، ص ۱۲۸، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

سوال: معتزلہ سے کون لوگ مراد ہیں؟ اور ان کے عقائد کیا ہیں؟

جواب: معتزلہ کی وجہِ تسمیہ یہ ہے کہ یہ لوگ حق سے کنارہ کش ہو گئے تھے (اعتزال کنارہ کش ہو جانے کو کہتے ہیں) معتزلہ ایک گمراہ فرقہ ہے اس کا وجود حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ہوا۔ "معتزلہ": اعتزال سے اسم فاعل ہے، اعتزال کے معنی ہیں الگ ہونا۔ اہل سنت والجماعت کے عقائد سے الگ ہو جانے کی بنا پر یہ فرقہ "معتزلہ" کہلایا۔ اس کا بانی واصل بن عطاء ہے۔ معتزلہ کے مذہب کی بنیاد عقل پر ہے وہ خود کو اصحاب العدل والتوحید کہتے ہیں اور نقل پر عقل کو ترجیح دیتے ہیں۔ عقل کے خلاف قطعیات میں تاویلات کرتے ہیں اور ظنیات کا انکار کرتے ہیں۔ اس فرقے کے عقائد میں سے چند یہ ہیں:

معتزلہ کے نزدیک گناہ کبیرہ کا مرتکب، ایمان سے خارج ہو جاتا ہے مگر وہ کفر میں داخل نہیں ہوتا یعنی نہ وہ مؤمن رہتا ہے نہ کافر، جب کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک مرتکب کبیرہ ایمان سے خارج تو

نہیں ہوتا؛ البتہ وہ کامل مؤمن نہیں رہتا، اسی طرح معتزلہ کے عقائد میں سے ہے کہ جو لوگ اللہ تعالی کی اطاعت و فرمانبر داری کرتے ہیں ان کو ثواب دینا اور ان کو جنت میں داخل کرنا اللہ تعالی پر واجب ہے اور جو لوگ گناہ گار ہیں ان کو سزا دینا اور ان کو جہنم میں داخل کرنا اللہ تعالی پر واجب ہے یہ عدل کا تقاضہ ہے جب کہ اہل سنت و الجماعت کہتے ہیں کہ اللہ تعالی پر کوئی چیز واجب نہیں، مطیع اور عاصی سب اللہ کے بندے اور اس کے مملوک ہیں اور مالک کو اپنی ملکیت میں ہر تصرف کا اختیار ہوتا ہے، اگر اللہ تعالی عاصی کو جہنم میں ڈال دے تو یہ اس کا عدل ہے اور اگر معاف کر دے اور جنت میں داخل کر دے تو یہ اس کا فضل ہے۔

معتزلہ اللہ تعالی کی صفات علم، حیات، قدرت وغیرہ کا بھی انکار کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ کی ذات قدیم ہے اور صفات کو قدیم ماننے کی صورت میں تعدد قدماء لازم آتا ہے اور یہ توحید کے منافی ہے اس لئے صفات کا انکار کرتے ہیں لیکن اہل سنت والجماعت اس کا جواب دیتے ہیں کہ صفات کو قدیم ماننا یہ توحید کے منافی نہیں، جو توحید کے منافی ہے وہ ذوات قدیم کا تعدد ہے جو یہاں لازم نہیں آتا۔ معتزلہ کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالی بندوں کے افعال کا خالق نہیں ہے بلکہ بندہ خود اپنے افعال کا خالق ہے لیکن اہل سنت والجماعت کے نزدیک بندہ صرف کاسب ہے اور خالق اللہ تعالی ہی ہے۔ وغیرہ۔

سوال: مرجیہ سے کون لوگ مراد ہیں؟ اور ان کے عقائد کیا ہیں؟

جواب: مرجیہ کی وجہِ تسمیہ یہ ہے کہ اس فرقے کے خیال میں "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ" کا قائل خواہ کتنے ہی گناہ کرے مگر وہ دوزخ میں نہیں جائے گا، کہ ایمان قول کا نام ہے عمل کا نہیں، اعمال احکام ہیں، ایمان صرف قول ہے، لوگوں کے ایمانوں میں باہم کمی بیشی نہیں ہوتی، پس عام لوگوں کا ایمان، انبیاء کا ایمان اور ملائکہ کا ایمان ایک ہی ہے اس میں نہ کوئی زیادہ ہے نہ کوئی کم۔ اظہار ایمان کے ساتھ ان شاء اللہ نہیں کہنا چاہئے وغیرہ وغیرہ۔ (غنیۃ الطالبین ص ۱۸۴)

سوال: وہابی سے مراد کون لوگ ہیں؟ اور ان کے عقائد کیا ہیں؟

جواب: محمد بن عبد الوھاب نجدی کے ماننے والوں کو وھابی یا نجدی کہتے ہیں اس فرقہ کے لوگ، خیالاتِ باطلہ اور عقائدِ فاسدہ رکھتے ہیں، ابن عبد الوھاب نجدی نے اہل سنت و جماعت سے قتل و قتال کو جائز قرار دیا، ان کی عورتوں کو لونڈیاں بنانا بھی جائز کہا۔ سلف صالحین کی شان میں گستاخی و بے ادبی کو اپنا وطیرہ خاص بنایا، تمام مسلمانانِ عالم کو مشرک قرار دیا اور ان سے ان کے اموال چھین لینا حلال اور جائز بلکہ واجب قرار دیا، اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں کہا کہ "وہ مر کر مٹی ہو گئے" "ان کو کچھ خبر نہیں"، "نبی علیہ السلام کا نماز میں خیال آجائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے اور بیل گدھے کا آئے تو نہیں ٹوٹتی"۔ "شیطان کا علم حضور علیہ السلام کے علم سے بڑھ کر ہے"۔ "خدا جھوٹ بول سکتا ہے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے" وغیرہ وغیرہ۔ (ملخص از تاریخ نجد و حجاز از مفتی محمد عبد القیوم قادری قدس سرہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

سوال: نیچری سے مراد کون لوگ ہیں؟ اور ان کے عقائد کیا ہیں؟

جواب: یہ فرقہ، مولوی اسماعیل دہلوی کے معتقدین و متبعین کا ایک مخصوص ٹولہ ہے اس کا سنگ بنیاد سر سید احمد خان علی گڑھی نے رکھا تھا اس کا مرکز "علی گڑھ کالج" قرار پایا موصوف کے معاونین میں سر آغا خان، خواجہ الطاف حسین حالی، علامہ شبلی نعمانی اور مولانا سمیع اللہ خاں دہلوی وغیرہ حضرات تھے۔ مذہبی معاملات میں ان کے مِشن کو مولوی چراغ علی، رائٹ آنر یبل، سید امیر علی چنسوری، وقار الملک (نواب مشتاق حسین)، محسن الملک (سید مہدی علی خاں) اور ڈپٹی نذیر احمد وغیرہ نے پروان چڑھانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، بلکہ ہمہ وقت نیا مذہب گھڑنے اور مقدس اسلام کو ذبح کرنے میں مصروف رہے۔ یہ فرقہ، عقیدۂ رسالت اور احادیث مطہرہ کے خلاف ایک چیلنج ہے۔ قرآنی تعلیمات کے علمبردار ہونے کا مدعی لیکن کلام الٰہی کے خلاف پر اسرار سازش ہے، دعویٰ مسلمان ہونے کا ہے لیکن ان کے نظریات اسلا

می تعلیمات کو مسخ کرتے ہیں، نیچری فرقے کے چند عقائد ملاحظہ فرمائیں۔(i) قرآن کی کوئی آیت یا اس کا حکم کسی دوسری آیت سے منسوخ نہیں۔(ii) اجماع و قیاس حجت شرعی نہیں۔(iii) تقلید واجب نہیں۔(iv) شیطان یا ابلیس سے مراد کوئی وجود نہیں بلکہ انسان کے نفسِ امارہ یا قوتِ بہیمیہ کا نام ہے۔(v) چونکہ خبرِ واحد صدق و کذب کا احتمال رکھتی ہے اس لئے اسلام، خبر احاد کی بناء پر کئے جانے والے اعتراضات کا جواب دہ نہیں۔(vi) کفار کی وضع و قطع اختیار کرنا شرعاً ممنوع نہیں۔(vii) معراج اور شقِ صدر کے واقعات خواب میں پیش آئے۔(viii) حضرت آدم علیہ السلام، ملائکہ اور ابلیس کا جو قصہ قرآن میں ذکر ہوا وہ کسی واقعہ کی خبر نہیں بلکہ ایک تمثیل ہے۔(ix) معجزہ، نبوت کی دلیل نہیں ہو سکتا۔(x) رؤیتِ باری تعالیٰ کسی طرح بھی ممکن نہیں۔(xi) پرامیسری نوٹوں پر سود لینا جائز ہے۔(xii) شہدا زندہ نہیں ہوتے۔(xiii) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بن باپ کے پیدا ہونا کسی آیت سے ثابت نہیں۔(xiv) چور کے لئے ہاتھ کاٹنے کی سزا جو قرآن میں بیان ہوئی، ضروری نہیں۔(xv) قرآن میں ذکر کردہ جِنّات سے مراد صحرائی لوگ ہیں نہ کہ دیو، بھوت وغیرہ۔

(ملخص از برطانوی مظالم کی کہانی عبد الحکیم خاں اختر شاہجہانپوری کی زبانی، جنرل پرنٹرز، لاہور)

سوال: غیر مقلد سے مراد کون لوگ ہیں؟

جواب: صدر الشّریعہ بدر الطّریقہ مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ اس نئے مذہب کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ "یہ ایک نیا فرقہ ہے جو ۱۲۰۹ھ میں پیدا ہوا اس مذہب کا بانی محمد بن عبد الوھاب نجدی تھا جس نے تمام عرب خصوصًا حرمین شریفین میں بہت شدید فتنے پھیلائے، علماء کو قتل کیا، صحابۂ کرام وآئمہ علماء و شہدا کی قبریں کھود ڈالیں، روضہ انور کا نام معاذاللہ صنم اکبر رکھا تھا یعنی "بڑا بت" اور طرح طرح کے ظلم کئے۔ جیسا کہ صحیح حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ

نجد (موجودہ نام "ریاض") سے فتنے اٹھیں گے اور شیطان کا گروہ نکلے گا،وہ گروہ بارہ سو برس بعد یہ ظاہر ہوا ،علامہ ابن عابدین شامی علیہ رحمۃ نے اسے خارجی بتایا، اس عبد الوھاب کے بیٹے نے ایک کتاب لکھی جس کانام توحید رکھا،اس کا ترجمہ ہندوستان میں اسماعیل دہلوی نے کیا جس کا نام "تقویۃ الایمان"رکھا اور ہندوستان میں اسی نے وہابیت پھیلائی۔ ان وہابیہ کا ایک بہت بڑا عقیدہ یہ ہے کہ جو ان کے مذہب پر نہ ہو وہ کافر، مشرک ہے یہی وجہ ہے کہ بات بات پر محض بلاوجہ مسلمان پر حکمِ شرک وکفر لگایا کرتے اور تمام دنیا کو مشرک بتاتے ہیں۔(ملخص از:۔بہار شریعت، جہیز ایڈیشن حصہ اول ص ۵۵۔۵۴ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

غیر مقلدیت بھی وہابیت کی ایک شاخ ہے چند عقائد کے علاوہ باقی تمام عقائد میں شریک ہیں، غیر مقلدین حضرات نے چاروں مذہبوں سے جدا تمام مسلمانوں سے الگ ایک نئ راہ نکالی ہے کہ تقلید کو حرام وبدعت کہتے ہیں اور آئمہ دین کو گالیاں دیتے ہیں لیکن حقیقتاًیہ تقلید سے خالی نہیں کیونکہ یہ آئمہ دین کی تقلید توکرتے نہیں مگر شیطان لعین کے ضرور مقلِّد ہیں اسی طرح یہ لوگ قیاس کے بھی منکر ہیں اور حکم شرعی کی روسے قیاس کامطلقاً انکار کفر ہے۔

(ملخص از بہار شریعت جہیز ایڈیشن، حصہ اول، ص ۶۱، مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)